تعلیماتِ اسلام کا علمبردار دینی و علمی ماہنامہ
الحق
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، پاکستان

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴

فون نمبر رہائش ۔ ۲

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ /۱۵ روپے - فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

جلد نمبر : ۱۳
شمارہ : ۱

ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ
اکتوبر ۱۹۷۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

آہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ

آہ کہ ۳ر ذی قعدہ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء صبح ۵ بجے جبکہ سپیدۂ سحر آفتاب عالمتاب کے طلوع کا مژدہ سنانے لگا تھا، دنیائے علم و ادب کا آفتاب و ماہتاب پون صدی کی تابناکی اور درخشانی کے بعد یکایک غروب ہوگیا اور علم و دین کے ایوانوں میں اندھیرا چھا گیا۔ یعنی حامل علوم نبوت ماحی الحاد و بدعت یادگار سلف محدث جلیل، محقق یگانہ ادیبؒ ؛ فاضل بے بدل جانشین امام انور شاہ کشمیریؒ علامہ مولانا سید محمد یوسف جان البنوری البشاوری قدس سرہٗ واصل بحق ہوگئے۔ البقاء للہ وحدہٗ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون —— فالرزیۃ کل الرزیۃ —— وہ شمع جو عمر بھر دین کیلئے اور ملت اسلامیہ کے لئے جل رہی تھی اور امتداد زمانہ کے ساتھ اسکی لو میں اس کے سوز و تپش اور اسکی روشنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا اچانک بجھ گئی۔

؎ اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے۔

اور اب علم و تحقیق کا عالم اجڑا اجڑا سا ہے۔ دعوت حق اور دفاع دین کی رزم گاہوں میں سکوت مرگ سا طاری ہوگیا ہے ——

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں   بڑے چراغ جلاؤگے روشنی کے لئے

جمعہ کی شام کو قائد ملت مولانا مفتی محمود صاحب، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کے اجلاس میں شرکت کرنے مصر جا رہے تھے، ادھر مولانا بنوری مرحوم اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب وغیرہ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کرنے اسلام آباد تشریف لائے تھے، مفتی صاحب کو راولپنڈی ائیرپورٹ پر الوداع کہنے کے بعد احقر اسلام آباد گیا۔ مولانا بنوری گورنمنٹ ہاسٹل کمرہ نمبر ۳ میں مقیم تھے اور دیگر حضرات واحباب دیگر کمروں میں، رات مولانا کونسل کی میٹنگ سے ساڑھے نو بجے پہنچے، رات میں مولانا تقی صاحب کیساتھ رہا، ہفتہ صبح ۸ بجے ہم دونوں مولانا کے کمرے میں گئے تو معلوم ہوا کہ غسل خانہ میں اچانک دھچکا سا لگا ہے، گلا کچھ سا گیا اور اب معائنہ کیلئے پولی کلینک اسلام آباد تشریف لے گئے ہیں۔ گیارہ بجے آپ واپس تشریف لائے۔ میں اور تقی صاحب نے گاڑی سے سہارا دیا۔ مولانا کے صاحبزادے محمد بنوری سلمہ اللہ بھی ساتھ تھے ہم تینوں انہیں کمرے میں لے گئے، خوب بات چیت فرماتے رہے، ہم سب نے اصرار کیا کہ اب مکمل آرام فرما دیں اور

بستر پہ دراز ہو جائیں، فرمایا نہیں کوئی خاص بات نہیں، ہنسی خوشی ہم کمرہ سے نکل آئے، ساڑھے بارہ بجے یکایک مولانا پہ دوبارہ اٹیک ہوا، جسم مبارک پسینہ سے تر اور رنگ بالکل پیلا پڑ گیا، استغفراللہ استغفراللہ کا ورد فرماتے رہے، اور فرماتے کہ اس دفعہ بالکل نئی کیفیت محسوس ہو رہی ہے، جسٹس افضل چیمہ صاحب چیئرمین مشاورتی کونسل بھی موجود تھے، سی ایم ایچ پہنچانے کا پروگرام بنا، ایمبولنس آنے میں کافی دیر لگی، اور چار بجکر ۲۰ منٹ پر آپ سی ایم ایچ کے آفیسرز وارڈ کے ایمرجنسی روم میں داخل کئے گئے، وہاں پہنچ کر طبیعت کافی بحال ہوگئی اور سب لوگوں نے اللہ کا شکر ادا کیا،

دوسرے دن اور پیر کی شب کو آپ یہیں زیر علاج رہے، وفات کی شب رات نو بجے ان کے صاحبزادے برادرم محمد صاحب ملنے گئے تو کسی ڈاکٹر نے مولانا کو اٹھنے بیٹھنے کے بارہ میں احتیاط کی تلقین کی تو محمد صاحب کی روایت ہے کہ مولانا مرحوم نے انہیں کہا کہ ـــ اب کبھی نہیں اٹھوں گا ـــ پیر کی صبح ۵ بجے کے لگ بھگ واصل بحق ہوئے۔ وفات اپنے اندر شان ابوذری لئے ہوئے تھی، ایسی حالت میں کہ ملت کا یہ غمگسار ملت کے درد وغم کے سلسلہ میں حالتِ سفر میں تھے۔ اور وفات کے وقت بستر کے قریب کوئی عزیز بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ ہسپتال کی طرف سے کسی کو ساتھ رہنے کی اجازت نہیں تھی، آخری لمحات کیسے گذرے کیا کیا کیفیات اور تاثرات رہے، اس کا مشاہدہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور پھر یہ امر بے حد افسوس و حیرت کا باعث ہے کہ ہسپتال کی طرف سے کسی عزیز کو اطلاع نہیں دی گئی پہلی اطلاع کئی گھنٹے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو دی گئی۔ ان کے توسط سے چیئرمین اسلامی کونسل کو، اور اس کے بعد عزیز و اقارب کو، ہم لوگ اکوڑہ خٹک آگئے تھے۔ ۱۱ بجے اطلاع آئی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد راولپنڈی روانہ ہوگئی۔ ۲ بجے ہم سب راولپنڈی پہنچے۔ برادر عزیز قاری سعید الرحمٰن صاحب کی نگرانی میں ان کی اقامت گاہ جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ میں مولانا کی تجہیز و تکفین ہو چکی تھی۔ مولانا کا جسدِ اطہر ایک کمرے میں برف کی سلوں کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ جو مریض و نحیف ہونے کے ساتھ اس صدمہ سے نڈھال تھے سیدھے مولانا کے پاس پہنچے پیشانی مبارک کو چوما دیر تک کھڑے رہے اور مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ:

اے دین کے خادم اور ملت کے غمگسار تجھ پہ خدا کی کروڑوں رحمتیں ہوں۔ اے اللہ اس ذات کو جو قرآن و سنت کا حامل اور خادم رہا اپنی قرب و رضا سے مالا مال فرما۔"

مولانا مرحوم کا چہرہ عجیب پرسکون تھا۔ جیسے آسودۂ خواب ہوں۔ چہرۂ انور کا حسن سفید کفن میں اور بھی نکھر گیا تھا۔ ۳ بجے ظہر نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے پڑھائی، علماء و مشائخ، زعماء، مشاہیر

اور عامۃ المسلمین کی ایک بہت بڑی تعداد نے شمولیت کی اس سے قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ۱۵ منٹ تک حضرت مولانا مرحوم کے کمالات علمی اور خدمات دینی پر تقریر فرمائی، نماز جنازہ کے بعد آپ کا تابوت ائرپورٹ سے جایا گیا اور ٹھیک ۵ بجے جہاز علم و معرفت کے اس گنج گرانمایہ کو لیکر کراچی روانہ ہوا اور کراچی میں رات نو بجے آپ کو اپنے قائم کردہ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن میں سپرد خاک کیا گیا، یہاں دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی گئی جس میں مولانا کے عشاق اور عقیدتمندوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

حضرت مولانا بنوریؒ کے وصال سے علم و فضل کی دنیا میں کتنی خلاء پیدا ہوگئی ہے۔؟ اس کی وسعت اور گہرائیوں کا صحیح اندازہ ہم جیسے بے مایہ علم و فہم کر ہی نہیں سکتے، مگر مولانا کے طویل و عریض کمالات علمی اور خدمت دینی پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے والا بھی اس حادثہ کی وجہ سے غم و اندوہ کی گہرائیوں میں ڈوبے بغیر نہیں رہ سکتا، مولانا کی ذات جامع صفات تھی اس ہمہ گیر شخصیت میں امام کشمیریؒ کے کئی مزایا اور صفات کی جھلک نمایاں تھی اپنے استاذ کا رنگ لئے ہوئے تھے، علمی تبحر، وسعت معلومات، غضب کا حافظہ، ادب عربی اور علوم ادبیہ میں مکمل دسترس اور اعلیٰ ذوق، عربی کے ایسے ادیب اور مصنف کہ گنے چنے افراد میں شمار ہوتے تھے، عربی نثر نگاری میں قدیم اور جدید دونوں اسلوبوں پر گرفت تھی، عربی شعر و شاعری کا ایسا ملکہ کہ قریبی احباب سے ذاتی خط و کتابت بھی عربی نظم میں فرماتے، کتابوں کا ایسا عمدہ ذوق اور ایسی تشنگی کہ آخر وقت تک دنیا کے کتب خانوں سے چن چن کر کتابیں جمع فرماتے رہے اور ایک نہایت عمدہ لائبریری بھی اپنے آثار میں چھوڑ گئے۔ عربی ادب اور علوم عربیہ کی نایاب اور قدیم کتابوں کے نام بچپن میں میں نے مولانا سے ہی سنے طبیعت میں روانی آجاتی تو صدہا عربی فارسی قصائد و اشعار سنانے لگ جاتے۔ اپنے شیخ اور استاذ علامہ کشمیری کے ذکر سے تو وجد کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی اور آبدیدہ ہو جاتے، ویسے بھی طبیعت میں سوز و گداز غضب کا تھا۔ دین کے اضمحلال اور زوال پر آنسو کی جھڑی لگ جاتی۔

مولانا کو اللہ نے باطنی صفائی کے ساتھ ظاہری نفاست سے بھی بدرجۂ اتم نوازا تھا، ہر کام میں نہایت خوش ذوق، رہن سہن، خوراک و پوشاک نشست و برخاست میں خوش سلیقہ، دسترخوان ہو یا میز ہر جگہ ہر چیز کو ترتیب سے دیکھنا چاہتے تھے۔ ہمارے بعض احباب اس معاملہ میں مولانا کو ماہر جمالیات کہتے تھے، صاف دل اور صاف گو تھے، کسی کو پسند فرمانے لگتے تو اسکی تعریف و تحسین میں اتنے فیاض کہ ناواقف حال حضرات کو غلو اور مبالغہ کا گمان ہونے لگتا اور اگر دین اور علم کے معاملہ میں کسی سے اختلاف ہو جاتا تو اپنی صوابدید کی بنا پر بے دریغ اور بلا خوف لومۃ لائم میدان میں آجاتے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس

دور کے فتنۂ تجدد پر آپ نے بے تحاشا حملے کئے اور اپنا پرچہ بیّنات اس کے لئے مخصوص فرمایا۔ فتنۂ انکارِ حدیث اور اس کے داعی پرویز کی تکفیر کا اجماعی فتویٰ آپ کا کارنامہ ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فتنۂ قادیانیت کا استیصال جس تحریک سے کرایا اس کی سرخیلی کا خلعت فاخرہ بھی آپ کو نصیب ہوا۔

تحریک ختمِ نبوت چلی، لاہور کے مدرسہ شیرانوالہ گیٹ میں ہر مکتب فکر کے علماء اور زعماء مجلس عمل کی تشکیل کے لئے جمع تھے ایسے متضاد اور مختلف الخیال مکاتب اور عناصر کی قیادت کا مسئلہ بڑی الجھن کا باعث بن سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ یکایک مجلس میں اٹھے اور تمہید کے بعد مجلسِ عمل کی صدارت کے لئے مولانا قدس سرہٗ کا نام تجویز فرمایا۔ اللہ کا کرم تھا اور مجوَّز اور مجوِّز دونوں کی عظمت اور احترام کا تقاضا تھا کہ سب لوگوں نے اس تجویز پر [illegible] اور اسطرح اللہ تعالیٰ نے مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے مشن کو ان کے چہیتے خادم اور شاگرد ہی کے ذریعہ تکمیل تک پہنچایا ذبّ عن الاسلام اور حمیّتِ حق کے ان عظیم معرکوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس عاشقِ رسولؐ سے علمِ حدیث کی خاص طور سے خدمت لی، ترمذی شریف کی شرح معارف السنن کی صرف چھ جلدیں چھپ سکیں جو ۲۹۳۳ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ابھی اتنا کام اور ہونا تھا اور معارف کا مقدمہ اس پر مستزاد۔ جوانی کے آغاز میں کئی ایک معرکے کی کتابیں لکھیں ۱۳۵۶ھ میں مجلس علمی ڈابھیل کیطرف سے فیض الباری کی طباعت کے سلسلہ میں مصر تک کی یونان اور حجاز کے سفر پر گئے تو پایہ کے علماء عرب پر اپنا سکہ جمایا اور اظہارِ حق میں عالمِ عرب کے ممتاز مصنف علامہ طنطاوی صاحب جواہر القرآن سے بھی الجھنے میں جھجھک محسوس نہیں کی۔ اس وقت کے امام جلیل علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثری کے منظورِ نظر بن گئے، اپنے شیخ اور مرشد علامہ کشمیریؒ کے بعد آپ علامہ کوثریؒ کے علم وفضل کے مدّاح تھے۔ اس سفر سے ہی عرب کی علمی دنیا میں متعارف ہوگئے۔ کئی ایک مقالات اور قصائد عربی پریس میں شائع ہوئے۔ دمشق کی مجلسِ علمی اور بعد میں قاہرہ کے مجمع البحوث الاسلامیہ اور مکہ معظمہ کے رابطہ عالم اسلامی کی کئی مجالس کے ممبر منتخب ہوئے۔

(نامکمل اور جاری)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

اسلام میں اتحاد اور اجتماعیت کی اہمیت

یکم شوال ۱۳۹۷ھ کو عیدگاہ اکوڑہ خٹک میں تقریباً ۱۵ ہزار افراد کے اجتماع سے نماز عید سے قبل حضرت شیخ الحدیث نے حسب ذیل خطاب فرمایا۔

(خطبہ مسنونہ کے بعد) واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔

محترم بزرگو! وقت بہت کم ہے۔ مگر پھر بھی لوگوں کے انتظار میں چند منٹ دو چار باتیں عرض کرنی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں معذور اور بیمار ہوں، لیکن شریعت کے احکام پر عمل کے لئے معذور اور بیمار کیلئے بھی طریقے بدل جاتے ہیں حکم نہیں بدلتا۔ وضو پر مکلف شخص اگر معذور ہے تو نماز معاف نہیں ہوگی۔ بلکہ تیمم کرے گا۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے معذور ہے تو نماز معاف نہیں بلکہ بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم ہے ـــــ عذر کی وجہ سے حکم کی نوعیت اور طریقہ بدل جاتا ہے۔

محترم بھائیو! دین کی تبلیغ اور دین کی نصرت اور کوشش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مکلف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور ان کے بعد دوسرا پیغمبر آنے والا نہیں تو اللہ ہم اور آپ سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد بنا دے۔ اب ہمیں اپنے روحانی والد کے فرائض ادا کرنے ہوں گے ہنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے جاتے، طائف سے واپسی میں جوتے مبارک خون سے بھر گئے۔ مگر نصرت دین کے لئے وہ تکالیف برداشت کرتے فوج ان کے ساتھ نہ تھی اور بظاہر قوت اور طاقت نہ تھی ـــــ اور یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ پیغمبر کی طاقت خدا کے بعد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اگر نبی کے پاس فوج اور پولیس نہیں دولت نہیں مگر اسکی زبان کا ہلنا ایٹم بم سے زیادہ ہے اور میں یہ اپنے طور پر نہیں کہتا نہ تفصیل کا وقت ہے۔ عزرائیل علیہ السلام جو ہر شخص کا مہمان بنے گا، سب کی ارواح قبض کرے گا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کے پاس تشریف لائے مگر قانون کے مطابق نبیؑ کے پاس آنا ان کے خیال میں نہ رہا، آکر کہا کہ ابھی آپ کو مارنا ہے جیسے

دشمن کسی شخص سے کہہ دے کہ تجھے قتل کر رہا ہوں۔ تو حضرت موسیٰؑ اس وقت مراقبہ میں تھے، انہوں نے ایک چپت رسید کر دی، تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکل گئی، بخاری شریف کی حدیث ہے۔ تفصیلات اس کے درس میں بیان ہوتی ہیں۔

تو نبی پر بظاہر دشمنوں کے پتھر برستے ہیں۔ مگر یہ بے دست و پا ہونا نہیں، طاقت کا استعمال پیغمبر نہیں فرماتے فرشتہ کی آنکھ ایک چپت سے نکال سکتے ہیں، حضرت موسیٰؑ سے حضور اقدسؐ درجہ و مرتبہ میں زیادہ ہیں تو آپ کی طاقت تو ان سے بھی بڑھ کر تھی مگر اس اسلام اور اس دین کے لئے حضورؐ گلیوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور اوباش لوگ پتھر مارتے ہیں۔ مگر جواب میں آپ دعا فرماتے ہیں: اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون اے اللہ یہ مجھ پر پتھر پھینکنے والے جو ہیں ان کو تو ہدایت فرما کہ مجھے پہچان لیں۔ یہ مجھے نہیں جانتے نا سمجھ ہیں ان کی سفارش فرمانے کہ اللہ کا عذاب اور قہر جوش میں نہ آجائے۔

بھائیو! اسلام ملانے کے لئے آیا ہے۔ اسلام دو فریقوں، دو مسلمانوں، باپ اور بیٹے، میاں اور بیوی، دو بھائیوں، دو حکمرانوں، رعایا اور راعی کے درمیان ملاوٹ پیدا کرتا ہے۔ آمیزش چاہتا ہے، اسلام جوڑنے کیلئے ہے توڑنے کیلئے نہیں، اسلام توڑتا نہیں، اسلام کا کام ملانا اور بنانا ہے۔ جیسے خاص طور سے آپ عید کے دن آج یہاں جمع ہیں۔ جو قوم بے اتفاقی کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے، وہ قوم جہنم اور ہلاکت کے کنارے پہنچ جاتی ہے اور میں نہیں خدائے پاک فرماتے ہیں: واذکروا اذ کنتم اعداء ـــــ اے مہاجرین اور انصار اے نبی کریم کے امتیو! یاد کرو وہ وقت جب تم آپس میں دشمن تھے اور دشمنی بھی ہم پٹھانوں کی طرح معمولی معمولی بات پر۔ ایک شخص ایک میلہ میں اپنے خیمے سے باہر نکل کر اپنے پاؤں راستے میں پھیلا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور چیلنج دیتا ہے کہ ہے کوئی بہادر کہ میرے یہ پاؤں سمیٹ سکے، ایک دوسرا جاہل آیا تلوار ساتھ تھی پاؤں پر دے ماری اور ٹانگیں کاٹ کر کہا کہ جیتے میں نے سمیٹ دیں، اب تم اسے پھیلا دو۔ اس پر فریقین میں مدتوں قتل قتال جاری رہا تو ایسی جہالتوں میں مبتلا لوگ جب اسلام لائے تو خدا نے فرمایا کہ

باہمی دشمنیوں اور رنجشوں کا وقت یاد کرو پھر تمہارے دلوں میں محبت اور الفت کس نے ڈالدی؟ خداوند کریم ہی نے پیدا فرمادی۔

بھائیو! پھر ایسی محبت آگئی کہ ایک شخص بھوکا ہے، اس کے گھر کھانے کی کوئی چیز آجاتی ہے تو وہ خود نہیں کھاتا پڑوسی کے گھر لے جاتا ہے، ایک شخص میدان جنگ میں زخموں سے چور ہے، پیاس سے مر رہا ہے، پانی اس کی طرف بڑھایا گیا تو دوسرے کسی زخمی کی آواز کان میں پڑی ـــــ واعطشا ـــــ ہائے پیاس تو یہ مسلمان منہ بند کر لیتا ہے کہ نہیں پہلے دوسرے پیاسے کو اس طرح سات زخمیوں کیساتھ ہوتا ہے، اور جب

پہلے کے پاس پانی آجاتا ہے تو وہ وفات پا چکا ہوتا ہے ، اس طرح ساتوں پیاسے شہید ہو جاتے ہیں - یا تو یہ حالت تھی کہ ڈاکے قتل و قتال اور لوٹ مار ہی پر زندگی چل رہی تھی ، اور اب یہ قرآن مجید کی برکت دیکھئے - کہ باپ کے قاتل بھائی کے قاتل سے بھی بغلگیر ہو گئے ــــــ حضرت عمرؓ کا اپنے ماموں سے کوئی معاملہ تھا حضرت عبیدہ اپنے بھائی سے کیا سلوک کرتے حضرت صہیب کا اپنے بھائی سے کیسا معاملہ رہا - مگر پھر ایک دوسرے سے ذار اور نثار ہو رہے ہیں - یہ الفت کس نے پیدا فرمائی ؟ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا احسان جتلاتے ہیں - قرآن کی ایک برکت کیطرف متوجہ فرماتے ہیں - اور کروڑوں برکات میں سے یہ ایک برکت تھی - برکات تو آپ نے رمضان میں انشاء اللہ حاصل کر لیں - ایک برکت یہ کہ آپ کی یہ قومیت ، عصبیت ، خاندانی امتیازات ، عربی اور عجمی کے جھگڑے اور فضیلت کے معیار ختم کرا دئے - یوم عرفہ میں حج کے میدان میں صحابہؓ کے سامنے

حضورؐ فرماتے ہیں : لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی - کلکم بنو آدم و آدم من تراب -

سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور وہ مٹی سے پیدا کئے گئے - آپ کے فتنے اور فسادات اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مٹا دئے - والّف بین قلوبکم - خود پیاسے بھوکے رہ کر دوسرے مسلمانوں کو کھلاتے پلاتے اور پہناتے ہیں - حالت بدل گئی ، انقلاب زندہ باد ، یہ ہے حقیقی انقلاب - آج بھی لوگ انقلاب انقلاب کرتے ہیں - مگر وہ جھگڑے فسادات وہ بدخلقی وہ عداوتیں یکسر ختم ہو گئیں اور الفت و محبت حسن خلق اور ایثار کا انقلاب آیا - فاصبحتم بنعمتہ اخوانا - اسلام کی برکت سے بھائی بھائی اور آپس میں شیر و شکر ہو گئے ، ورنہ اس سے قبل تو بے اتفاقی نے تمہیں تباہ کر ڈالا تھا - جہنم کے کنارے پہنچا دیا تھا - وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منھا - مگر قرآن مجید کی برکت سے ملاوٹ آئی بھائی بن گئے -

اجتماعیت آگئی اسلام ہمیں جوڑنا چاہتا ہے - توڑنا نہیں -

اسلام کی عبادات کو دیکھیں یہ نماز ہے یہ روزہ ہے یہ حج ہے - بھائیو ! یہ نماز تو گھر میں بھی پڑھی جا سکتی تھی - مگر ہم سب کو عیدگاہ میں اکٹھا کر دیا گیا جہاں آج سفید کپڑوں والے بھی ہوں گے - خاکی کپڑوں والے بھی - نئے کپڑوں والے بھی اور پرانے کپڑوں والے بھی ہوں گے - بھوکے بھی ہوں گے ، پیاسے بھی ہوں گے - صدر بھی ہوگا ، وزیراعظم بھی ، گورنر بھی اور ایک عام شہری اور فقیر بھی ہوں گے - اور مجھ جیسا خوار غریب شخص بھی ہوگا - سب ایک جگہ کھڑے ہیں - اس اگلی صف میں گن لیجئے ، اس میں فقیر و امیر قوم اور پیشے کی تمیز نہیں سب کو کاندھے سے کاندھا ملا کر جمع کر دیا ہے - کہ باطل کے مقابلہ میں حق کی خاطر ایک مٹھی کی طرح ہو جاؤ - پارٹی بازیاں جماعت بندیاں تعصبات اور فسادات چھوڑ دو یہ تو اس قوم کا خاصہ ہے جسے خدا ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے - ہماری نمازیں پانچ ہیں ، پانچ وقت مسجدوں میں جمع ہو کر ہم اہل محلہ اور پڑوسیوں کے

حالات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ فلاں بیمار ہے، اس لئے نماز میں شریک نہیں ہوا۔ جمعہ کو سارے گاؤں کے حالات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ عید کے دن سارے شہر اور گرد و نواح کی خبر گیری ہو جاتی ہے۔ کل اگر کسی نے روزہ نہ رکھا تو شیطانی عمل تھا آج اگر کوئی روزہ رکھتا ہے تو شیطانی فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ کل، امساک اکل و شرب عبادت تھی آج معصیت ہے۔ تو اسلام اس حد تک ملاوٹ اور اجتماعیت چاہتا ہے۔ کہ عبادات میں بھی برابری ہے۔ تمہارا روزہ بھی ایک اور تمہاری عید بھی ایک ہونی چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے طور پر شرعی قانون اور شرائط کے مطابق علماء عید کرائیں گے، آج کسی نے عید کرائی تو وہ بھی شرعی طور پر کرائی گئی۔ اور کل کوئی منائیں گے تو وہ اپنے طور پر شرعی آداب و شرائط کے مطابق ایسا کریں گے۔ بازاروں میں اس مسئلہ پر عوام کے بحث مباحثوں کو جانے دیجئے ایسی صورتوں میں عید پر اختلاف کوئی مضر نہیں۔

بہر تقدیر اسلام کہتا ہے کہ ایک مٹھی ہو جاؤ، ایک جسم بن جاؤ اگر سر میں درد ہے تو پاؤں تکلیف محسوس کرے پاؤں میں تکلیف ہو تو سر اُسے محسوس کرے۔

چنانچہ معاملات سیاسیات جتنے ہیں انہیں چھوڑ کر عبادات کو دیکھئے نماز کو لیجئے، حج کو، روزہ کو، سب میں اجتماعیت اور یکجہتی، اتفاق ملحوظ ہے۔

حج میں ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی حالت میں جمع ہوں گے۔ اگر ملک کے سربراہ جنرل ضیاء الحق ہیں تو وہ بھی کفنی لباس میں ہوں گے ملک کے سربراہ اور بادشاہ بھی وہاں شلوار قمیض نہیں بلکہ دو چادروں میں ملبوس ہوں گے اور مجھ جیسے نقیر بے نوا بھی اسی حالت میں ہوں گے۔ وہی کفن کا لباس دو لنگیاں لباس ہوگا۔ خدا تو ہر جگہ موجود ہے مگر مسلمانوں کی یہ اجتماعیت اور اتفاق خدا کو اتنی ملحوظ ہے۔ کہ حضور اقدسؐ نے ایک دفعہ نماز باجماعت کی اہمیت واضح کراتے ہوتے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز با جماعت کے وقت گھروں میں حاضری لوں۔ اور جو لوگ بلا عذر جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان کے گھروں کو میں جلا ڈالوں۔ مگر گھروں میں عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے ایسا کرنا مشکل ہے۔ حضورؐ نے کسی کے گھر کو نہیں جلایا کہ وہاں خواتین اور بچے بھی تھے اور ان پر جماعت میں حاضری لازم نہ تھی پھر بھی رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے تارکین جماعت کے بارہ میں اپنا غصہ ظاہر فرمایا اور غصہ بھی معمولی غصہ نہیں تھا۔

آپ اپنی اولاد کے والدین ہیں مگر کبھی یہ نہ سوچیں گے کہ اپنے گھر یا اپنی اولاد کو جلا ڈالیں۔ مگر جو ذات ساری کائنات کی رحمت اور ہزار باپ اور ماں سے زیادہ شفیق ہیں۔ مگر رحمۃ للعالمینؐ اجتماعیت اور جماعت سے گریز کرنے والوں کے بارہ میں جب اتنا سخت لہجہ اختیار کرتے ہیں تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان کی نظروں میں اتفاق اور اجتماعی زندگی دین کی خاطر اسلام کی خاطر کتنی پسندیدہ اور اہم ہے۔ میں بہت افسوس

کرتا ہوں کہ وقت کم ہے مگر ایک بات بتا دوں کہ اس ساری خرابی کا منشا تکبر ہے۔ ہر محلہ بگڑا ہوا ہے، باپ بیٹا دشمن ہے۔ عزیزداریاں ختم ہیں، ان سب کی وجہ عدم تواضع اور تکبر ہے ہر ایک مونچھ پہ تاؤ دیتا ہے۔ کہ بس میں ہی ہوں ہندوستان میں ایک ہندوستانی اور ایک پٹھان نے مونچھ رکھے تھے ہر ایک تاؤ دیتا، ایک دن ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دونوں کیا تاؤ پہ تاؤ دیتے رہیں گے چلئے جس نے اپنے بیوی بچے ذبح کر ڈالے وہ بہادر ہوگا۔ اور اسکی مونچھ اونچی رہے گی دوسرا مونڈھ دے گا۔ پٹھان تو کم عقل تھا، بھاگ دوڑا، بچے ذبح کر ڈالے باہر آکر ہندوستانی کو کہا کہ اپنی مونچھوں کو اب نیچے کر دو۔ میں نے بچوں کو ذبح کر ڈالا۔
ہندوستانی نے فٹ اپنی مونچھیں نیچے کر دیں کہ چلئے تم بہادر سہی مجھے نہیں چاہئے یہ بہادری۔ دیکھئے جہالت اور تکبر کا کرشمہ کہ کس کا سر اونچا رہے گا۔؟ کس کا کوٹ اور لباس عمدہ ہوگا۔؟ ہمیں اسی تکبر نے غرق کر دیا۔ میں پٹھان ہوں، میں مالدار ہوں، میں امیر ہوں، میں صاحبزادہ اور سید زادہ ہوں، میں طاقت والا ہوں۔ دوسرا کون ہے۔ جو میرے سامنے آتا ہے۔؟ دوسرے کی کیا حیثیت ہے۔؟ اسی چیز نے ہمیں ڈبو دیا۔ خداتعالیٰ فرماتے ہیں : لا یسخر قوم من قوم —— ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے ایک محلہ دوسرے محلہ کا ٹھٹھا نہ اڑائے —— لا یغتب بعضکم بعضا۔ دیکھئے ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں۔ ہم مسجدوں میں آجاتے ہیں، تو ہمارے مساجد غیبت سے بھر جاتے ہیں۔ فلاں کی ہنسی اڑائی، فلاں کا تمسخر کیا، تو خدا ہر حالت میں مسلمانوں کو ایک رکھنا چاہتا ہے۔ کہ حج بھی نماز بھی ایک ہو تو جیسا کہ عبادات میں کرتے ہو تو معاملات میں بھی اتفاق و اتحاد قائم رکھو۔

دوسری چیز تکبر غرور خود نمائی اور ہوس ہے کہ مال بڑھ جائے، طاقت بڑھ جائے، دیکھئے ایاز قدر خود بشناس۔ ایاز محمود کا محبوب تھا۔ محمود غزنوی ولی گذرے ہیں وہ ایاز کو بے حد عزیز رکھتے۔ تو ایک دن اور وزیروں نے شکایت کی کہ بادشاہ ایک غلام سیاہ فام کو اتنا محبوب رکھتے ہیں۔ اس میں کونسی ایسی خوبیاں ہیں اس وقت بادشاہ نے جواب نہ دیا۔ دربار ختم ہوا تو ایاز جاتے ہیں اپنے کمرے میں اور یہ طریقہ تھا اصلاح نفس کا کہ وزیراعظم کی حیثیت سے ہیں مگر تنہائی میں جا کر شاہانہ لباس اتار دیتے ہیں، لعل و جواہر اور شاہی تمغے ہٹا دیتے اور اپنے ابتدائی زمانہ میں پانڈی قلی تھے۔ بوریوں سے بنا ہوا لباس پہن لیتے، شیشہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہتے کہ ایاز قدر خود را بشناس، یہ ایک جملہ ہے مگر کافی ہے۔ تم آج جو کچھ بھی ہو تمہارے مقام کے برابر محمود غزنوی کی نظروں میں کوئی نہیں۔ تو یہ اللہ کا کرم اور محمود کی مہربانی ہے۔ تمہارا کوئی کمال نہیں، تم تو خود ایک قلی اور مزدور تھے، تمہاری حیثیت کیا تھی۔ یہ اس لئے کرتے کہ تکبر نہ آجائے۔ تو ہم میں نفاق بوجہ تکبر کے ہے۔ —— دیکھئے جناب نبی کریم کو اہل مکہ نے اپنی قوم نے تین سال تک شعب ابی طالب

میں محبوس رکھا۔ ہر طرح کی اذیتیں دیں مگر جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مکہ کی بادشاہت ہاتھ آگئی تو اہل مکہ، سردار اور رؤسا نے درخواستیں پیش کیں کہ حضورؐ ہمارے حجرہ میں ہمارے مکان میں قیام فرمائیں، جیسا کہ آجکل بادشاہ اور حاکم کو ہر شخص اپنے گھر مہمان بنانے کی کوشش کرتا ہے تو فتح مکہ کے قبل کے رؤسا نے خواہش ظاہر کی کہ آپ کو مہمان بنائیں ہمارے مکان کو مشرف فرمائیں حضورؐ نے فرمایا نہیں میں اس جیل خانہ میں قیام کروں گا، جہاں تین سال تک قید رہا یعنی شعب ابی طالب میں۔ اور نکتہ یہی تھا کہ آس پاس نظر ڈالوں تو مشکلات کا وہ دور سامنے رہے گا۔ کہ ہم تو یہی قیدی لوگ تھے۔ آج اگر ہم مکہ مکرمہ کے فاتحین ہیں تو یہ محض خداوند کریم کی مہربانی ہے تو صحابہؓ بنگلے اور محلات چھوڑ کر شعب ابی طالب میں ٹھہرے کہ وہاں بھوک پیاس تکالیف کا دور نگاہوں میں رہے کہ آج کی بادشاہت رب کریم کی مہربانی اور کرم ہے۔

—— تو دو باتیں عرض کیں کہ جس قوم میں نفاق پیدا ہوا وہ ہلاکت کے قریب ہوگئی اور جس میں اتفاق آیا تو وہ قوم کامیاب ہوگئی اور ایسی کامیاب کہ ہوا بھی پانی بھی اس کیلئے مسخر ہوگا۔ حضرت عمرؓ دریائے نیل کے نام فرمان جاری کرتے ہیں کہ اے نیل خدا کی مرضی سے چلتا ہے تو چلتے رہو ورنہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اسوقت سے نیل رواں دواں ہے۔ تو آج تک اسی حالت میں ہے۔ خدا کی قسم اطاعتِ رسول گر اختیار کرو تو یہ بادل یہ ہوا یہ زمین یہ آسمان یہ سورج یہ ستارے سب آپ کے مسخر ہوں گے، تم اشارہ کرو گے اور خدا اسے پورا فرمائے گا۔ شیطان تمہیں ورغلاتا ہے کہ تم کیا گنہ گار ہو تمہاری کیا حیثیت اور پوزیشن ہے۔ مگر اتنا یاد رکھو کہ اللہ سے زیادہ رحیم کوئی نہیں، اللہ باپ سے مہربان ہے دادا سے زیادہ مہربان ہے ماں سے زیادہ مہربان ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم۔ اے میرے بندو! کہ آج عیدگاہ میں جمع ہوگئے ہو۔ اے اکوڑہ اور گرد و نواح کے باشندو! اے حضورؐ کے امتیو! دوسرا در تمہارا نہیں سوائے میرے در کے، تم نے جو اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں۔ گناہ کئے ہیں۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ میری رحمت سے ناامید مت ہو۔ انہ یغفر الذنوب جمیعا۔ آج اگر ہم نے توبہ کی کہ یا اللہ اس میدان میں آج آپ کے دربار میں توبہ تائب ہیں تو حدیث میں آتا ہے کہ پورے رمضان میں اللہ نے جتنے جہنمی بخش دئے تھے ان سب کے برابر عید کی رات بخشدئے جاتے ہیں۔ تو آئیے آج اللہ کے سامنے روئیں، توبہ کریں۔ اور اس کی رحمت کے مستحق اور طلبگار بن جائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جناب سید جلال الدین عمری

نظامِ مصطفوی کے ذرائع دولت

اسلام کے نقطۂ نظر سے

اسلام نے انسان کو معاشی جد و جہد کی آزادی ہی نہیں بلکہ ترغیب بھی دی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ من مانے طریقے سے مال جمع کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اس کو تمام غلط اور ناجائز طریقے چھوڑنے پڑیں گے اور صحیح اور جائز ذرائع پر قناعت کرنی ہوگی۔ اسلام نے جن ذرائع آمدنی کو مباح قرار دیا ہے ان میں تجارت بھی ہے۔ اس نے تجارت کو پسند کیا اور مختلف طریقوں سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ جو تاجر اپنی تجارت میں دیانت و امانت سے کام لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء[1]	سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

صنعت و حرفت بھی اکتساب مال کا ایک جائز ذریعہ ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس ذریعے کو پسندیدہ نظر سے دیکھا گیا ہے اور اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے لوہے کی اہمیت اور نوع انسانی کے لیے اس کی افادیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید آیۃ ۲۵)	ہم نے لوہا اتارا اس سے جنگ (کا سامان) بھی تیار ہوتا ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال بحوالہ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔ دارقطنی

ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ لوہے سے انسان حصول معاش میں بھی فائدہ اٹھاتا ہے اس سے اس کی دوسری ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور وہ اس کی صنعتوں میں بھی کام آتا ہے۔ ہر صنعت لوہے سے وجود میں آتی ہے یا کم از کم اس میں لوہا ضرور استعمال میں آتا ہے[1]۔

لوہے سے قدیم انسان نے جتنا فائدہ اٹھایا دور جدید کے انسان نے اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر اس سے فرد اور سماج کو نقصان نہ پہنچے تو شریعت اسے منع نہیں کرتی۔ قرآن مجید کے الفاظ سے ہر دور میں لوہے کی افادیت اور صنعت کے لیے اس کی ضرورت اور اہمیت واضح ہوتی ہے اس میں اس سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب بھی ہے۔

حضرت داؤدؑ کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا :۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (سبا: ۱۱)	ہم نے اس کے واسطے لوہے کو نرم کر دیا اور کہا کہ وہ بڑی بڑی زرہیں بنائے اور ان کے حلقوں کا صحیح اندازہ کرے اور یہ کہ وہ نیک کام کریں (یاد رکھو) کہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے میں دیکھ رہا ہوں۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا :۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۰)	اور ہم نے تمھارے ایک لباس کی صنعت (زرہ سازی) اس کو سکھائی تا کہ تمھاری لڑائی کے وقت تمھاری حفاظت ہو سکے تو کیا تم اس کا شکر ادا کرو گے ؟

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صنعت وحرفت ایک پیغمبر جیسی شخصیت کے وقار کے بھی منافی نہیں ہے اور اسے اختیار کرنے کے بعد بھی انسان خدا کا صالح ترین بندہ بن سکتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام معمولی انسان نہیں تھے بلکہ ایک بڑی سلطنت کے فرماں روا تھے۔ انھیں اپنے دور میں جس طرح

---

[1] زمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل تفسیر آیت مذکور

کی صنعت کی ضرورت تھی اسے انھوں نے ترقی دی اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ آج کے صنعتی تقاضے مختلف ہیں ان تقاضوں کو پورا کرنا قرآن مجید کے منشار کے عین مطابق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے سمندر میں بے پناہ دولت رکھی ہے۔ قرآن مجید نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ انسان اتھاہ سمندروں میں جہاز رانی کے قابل ہوا جس کی وجہ سے وہ بے شمار فوائد حاصل کر رہا ہے۔ خدا کی اس نعمت پر اسے سجدۂ شکر بجالانا چاہیے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل: ۱۴)	وہی ہے جس نے سمندر کو تابع کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دو سمندر کو پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں (یہ اس لیے ہے کہ) تم اس کا فضل تلاش کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید نے بتایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا اور انھوں نے کشتی بنائی۔ اسی کشتی کی وجہ سے وہ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے طوفان سے محفوظ رہے۔ (ہود: ۳۶ - ۴۴)

قرآن مجید صنعت و حرفت کی کتاب نہیں ہے جس میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہو لیکن ان ارشادات سے اس کا رجحان ظاہر ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے بڑے بڑے پیغمبروں نے بھی اپنے وقت کی صنعت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں دولت کے بے پناہ خزانے رکھے ہیں۔ اسی میں سونا چاندی، تانبہ، پیتل، لوہا، کوئلہ اور دوسری قیمتی معدنیات موجود ہیں اور اسی کے نیچے تیل جیسی سیال دولت بہہ رہی ہے۔ قرآن مجید نے کہیں بھی ان سے استفادہ سے منع نہیں کیا ہے بلکہ ان میں انسان کی معاشش کا سامان ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اسے پوری اجازت ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ	ہم نے تمھیں زمین میں اقتدار بخشا اور تمھاری

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

معاش کے سامان اس میں رکھ دیئے۔ بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے:۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝

(الحجر: ۲۰-۲۱)

ہم نے زمین میں تمہارے لیے اسباب معاش رکھ دیے ہیں اور اس میں وہ مخلوقات بھی ہیں جن کے رازق تم نہیں ہو (بلکہ ہم ہیں) اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے موجود ہیں اور ہم اسے ایک متعین مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

زمین سے غلہ، اناج، پھل، سبزیاں اور انسان کی غذا کا جو دوسرا سامان پیدا ہوتا ہے اسے قرآن مجید نے اللہ تعالےٰ کے ایک بڑے احسان کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝

(عبس ۲۴-۳۲)

انسان اپنی غذا پر غور کرے۔ ہم نے پانی زور سے برسایا۔ پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑ دیا اور اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ میوہ اور گھاس پیدا کیا اس میں تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے زندگی کا سامان ہے۔

ایک جگہ زمین سے حاصل ہونے والی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ

ان کے لیے یہ ایک بڑی نشانی ہے کہ مردہ زمین کو ہم نے زندہ کر دیا۔ اس سے اناج پیدا کیا جس میں وہ کھاتے ہیں ہم نے زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کیے اور اس میں چشمے بہائے تاکہ وہ ان کے

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا	پھل کھائیں۔ ان کے ہاتھوں نے اسے نہیں
يَشْكُرُوْنَ (یٰس ۳۳ – ۳۵)	بنایا۔ پس یہ کیوں نہیں شکر کرتے ؟

ایک اور موقع پر خدا کے ان احسانات کا حق ادا کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ	وہی ذات ہے جس نے ایسے باغ پیدا کیے
مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ	جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور ایسے
وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا	بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے نہیں جاتے اور
اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ	کھجور کے درخت اور کھیتی کہ ان سب کے پھل
مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ	ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اس نے
كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ	زیتون اور انار پیدا کیا جو ایک دوسرے سے
وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ	مشابہ بھی ہیں اور جدا جدا بھی جس وقت وہ
وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	پھل دیں ان کے پھل کھاؤ جس دن ان کو کاٹو تو
الْمُسْرِفِيْنَ	ان کا حق ادا کرو بے جا خرچ نہ کرو۔ اسراف
(الانعام : ۱۴۲)	کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

اس طرح قرآن مجید نے یہ تصور دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں بے شمار نعمتیں پیدا کی ہیں۔ انسان کو ان سب نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا حق ہے البتہ وہ اس کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ خدا اور بندوں کے حقوق نہ فراموش کر بیٹھے۔

زراعت انسان کا قدیم ترین ذریعہ معاش ہے۔ اسلام کا رجحان اس کو ترقی دینے کا رہا ہے چنانچہ اس کی اس نے ترغیب بھی دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے کار اور غیر مزروعہ زمین کو جو بھی شخص آباد کرے وہ اسی کی ہے۔ البتہ جبر وظلم سے دوسرے کی جائداد پر قبضہ کا کسی کو حق نہیں ہے۔

من احیٰی ارضا میتة فھی له	جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی
ولیس لعرق ظالم حق[1]	کی ہے اور ظالم کا کوئی حق نہیں ہے

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب البیوع۔ باب الغصب بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، مالک

ایک اور حدیث میں ہے :-

من عمر ارضا لیست لاحد فھو احق بھا قال عروۃ وقضی بہ عمر فی خلافتہ[1]

جو شخص ایسی زمین آباد کرے جو کسی کی نہ ہو تو وہی اس کا حق دار ہوگا۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (بھی) اپنی خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔

ان احادیث کی بنا پر فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ حکومت کی اجازت سے جس طرح ایک مسلمان غیر مزروعہ زمین پر (جس کا کوئی مالک نہ ہو) قبضہ کر سکتا ہے اسی طرح ایک ذمی بھی قبضہ کر سکتا ہے[2]

اسلام نے دولت کے جن ذرائع کو جائز قرار دیا ہے ان میں دھوکے، فریب، رشوت ستانی ذخیرہ اندوزی اور ایسے تمام طریقوں سے منع کیا ہے جو غیر اخلاقی ہیں اور جن میں دوسرے کو نقصان پہنچا کر فائدہ اٹھانے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بالکل واضح ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :-

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... عن بیع الغرر[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کے کاروبار سے منع فرمایا

ایک مرتبہ آپ نے غلّہ کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے بھیگا ہوا غلّہ نکلا۔ آپ نے غلّے کے تاجر سے پوچھا کہ یہ اندر سے گیلا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا۔ بارش میں بھیگ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا "پھر اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھ کر خریدتے؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا :-

من غش فلیس منی[4]

جو شخص دھوکے دے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں

رشوت ستانی کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے :-

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب المساقاۃ، بحوالہ بخاری [2] ہدایہ، کتاب احیاء الموات [3] مشکوٰۃ، کتاب البیوع باب المنھی عنھا من البیوع، بحوالہ مسلم [4] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب المنھی عنھا من البیوع بحوالہ مسلم

لعن رسول اللہ الراشی والمرتشی[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی۔ رشوت دینے والے پر بھی اور رشوت لینے والے پر بھی۔

ذخیرہ اندوزی کو شریعت نے بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لا یحتکر الا خاطئی[2]	گناہگار انسان ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون[3]	جو تاجر غلہ باہر سے بازار میں لائے اللہ اسے رزق دیتا ہے اور جو ذخیرہ اندوزی کرے اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث ہے :۔

من احتکر طعاما اربعین یوما یرید به الغلاء فقد بری من اللہ وبری اللہ منه[4]	جو شخص چالیس دن تک اس خیال سے غلّہ کا ذخیرہ کر رکھے کہ قیمت چڑھ جائے تو اللہ سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اللہ بھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔

اسلام نے کسب دولت کے بعض ذرائع کو بالکل ناجائز قرار دیا ہے۔ ان ذرائع کے اختیار کرنے کی وہ کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ اس کی نمایاں مثال سود کی ہے اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ تجارت کے ذریعے ہونے والی آمدنی تو حلال اور طیب ہے لیکن سود سے جو دولت حاصل ہوتی ہے وہ حرام اور ناپاک ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو (البقرہ : ۲۷۵)	اللہ تعالیٰ نے لین دین اور تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام فرمایا۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارہ، باب رزق الولاۃ وہدایاہم، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد

[2] مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب الاحتکار، بحوالہ مسلم

[3] 〃 〃 〃 بحوالہ ابن ماجہ، دارمی

[4] 〃 〃 〃 بحوالہ رزین

تجارت سے انسان اپنی معاشی ضروریات بھی پوری کرتا ہے اور دوسروں کی خدمت بھی کرتا ہے۔ وہ خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور ملک اور سماج کی معیشت کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ لیکن سود دولت مند کی دولت میں اضافہ کرتا اور غریب کو غریب تر بناتا ہے۔ ایک سود خوار معاشرے کے ضرورت مند اور کمزور طبقات کو نقصان پہنچا کر خود دولت سمیٹتا ہے اور دوسروں کی اقتصادی حالت کو تباہ کر کے ترقی کرتا ہے۔ اس کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ غریب ابھرنے نہ پائے اور ہمیشہ اس کا دست نگر رہے محتاج رہے۔ وہ اس کی غربت اور لاچارگی ہی سے فائدہ اٹھا کر ترقی کرتا ہے۔ اسلام اس رجحان کا سرے سے مخالف ہے۔ وہ غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ ہمدردی اور لطف و محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے دولت دی ہے وہ ناداروں اور محتاجوں کی مدد کریں۔ یہی بات قرآن مجید نے ان الفاظ میں کہی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (البقرۃ: ۲۷۶)	اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات و خیرات کو بڑھاتا ہے اور وہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام نے ایک طرف غریبوں کی مدد پر ابھارا، ان کی کفالت کی ذمہ داری لی اور ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا۔ دوسری طرف سود خواروں کے خلاف سخت اقدام کیا۔ ان کو ہدایت کی کہ جو لوگ ان کے قرض میں پھنسے ہوئے ہیں ان سے وہ صرف اصل رقم واپس لے سکتے ہیں۔ زیادہ کا ان کو حق نہیں ہے۔ اس میں بھی انھیں اپنے قرض داروں کے ساتھ ممکنہ رعایت کرنی ہوگی سختی اور بداخلاقی ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سود کے احکام کے ذیل میں قرآن مجید نے فرمایا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود (دوسروں کے ذمے) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ لیکن اگر تم توبہ کرتے ہو

رُؤُسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ٥ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۷۸-۲۸۰)

تو تمہیں اصل مال مل جائے گا۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی دوسرا تم پر ظلم کرے اگر وہ تنگ دست ہے تو اس کی کشایش اور آسانی تک مہلت دو۔ اگر تم جانو، تو بہتر یہ ہے کہ تم اسے بخش دو۔

قرآن مجید کے نزدیک سود خواری سب سے بڑا سماجی اور اخلاقی جرم ہے اسی وجہ سے اس نے کسی بھی اخلاقی خرابی کے سلسلے میں وہ سخت رویہ نہیں اختیار کیا جو سود خواری کے سلسلے میں اختیار کیا، اور اسے مٹانے کے لیے سود خواروں اور مہاجنوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ احادیث میں بھی سود کو سب سے بڑی سماجی اور اخلاقی برائی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں:۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔ سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر۔ اس کی کتابت کرنے والے پر اس کے گواہوں پر اور آپ نے فرمایا گناہ میں سب برابر ہیں۔

ایک دوسری حدیث ہے:۔

درھم ربٰو یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ[2]

سود کا ایک درہم جسے انسان جانتے بوجھتے کھاتا ہے وہ چھتیس بار زنا کرنے سے بھی سخت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:۔

الربٰو سبعون جزءً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ[3]

سود کھانا ستر حصے گناہ ہے۔ ان میں کا سب سے چھوٹا حصہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب البیوع، باب الربٰو۔ بحوالہ مسلم

[2] 〃 〃 〃 بحوالہ احمد، دارقطنی، بیہقی

دینی علوم کی تدریس

اور ہمارے اکابر کی زہد و قناعت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری مدظلہ کا ایک مکتوب جناب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے نام جس میں مدارس عربیہ سے وابستہ حضرات کیلئے نصیحت و موعظت کا ایک دفتر پنہاں ہے۔

★

بگرامی خدمت حضرت ناظم صاحب مدرسہ مظاہر العلوم زاد مجدکم بعد سلام مسنون، یہ ناکارہ محرم ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ میں بیس[۲۰] روپے ماہانہ پر مدرس مقرر ہوا تھا۔ جبکہ میرے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو کہ کئی برس پہلے سے مدرس تھے۔ ترقیات کے بعد اکیس[۲۱] روپیہ تک پہنچے تھے اور مولانا عبدالرحمان صاحب دام مجدہم جو پہلے مدرس تھے ترقی کے بعد سترہ[۱۷] روپیہ تک [illegible] صاحب جو مجھ سے پہلے مدرس تھے پندرہ[۱۵] روپیہ تک پہنچے تھے۔ میرا خیال ہے میری تنخواہ محض اکابر کے حسن ظن اور شفقت کی وجہ سے اتنی مقرر ہو گئی تھی جو میری حیثیت اور استعداد سے زیادہ تھی ان حضرات کا حسن ظن کا مبنیٰ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا طرز تعلیم تھا کہ وہ خصوصی طلبہ سے تعلیم کے زمانہ میں بھی اسباق پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے انتقال ۱۳۳۴ھ کے سال میں بھی اپنے خصوصی شاگردوں کے اسباق، مقامات وغیرہ اسی ناکارہ کے حوالے کر رکھے تھے، اس کے بعد شوال ۱۳۴۴ھ تک جبکہ یہ ناکارہ دوسری مرتبہ حجاز گیا تو اس کے بعد سے مستقل طور سے تنخواہ چھوڑ دی تھی، متفرق ترقیات کے بعد پینتیس[۳۵] تک پہنچی تھی۔ ان تمام ایام کی تنخواہ جو اس ناکارہ نے وصول کی تھی ۷،۱۷،۲ روپے تھی۔ اس ناکارہ کا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ یہ تنخواہ جو ملتی رہی یہ میری حیثیت اور استعداد سے زیادہ ہے، اس کے علاوہ گو اس ناکارہ نے مدرسہ کے ہمیشہ بہت اہتمام کیلئے شدید بخار وغیرہ و دوسرے امراض میں بھی رخصت بیماری بہت کم لی۔ لیکن اکابر کے جو واقعات مدرسہ کی تنخواہ اور تحفظ اوقات سنتا اور دیکھتا رہا ہوں وہ بہت شدید ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا معمول تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں اگر کوئی [illegible] جاتا اور اس سے مزاج پرسی وغیرہ

میں چندمنٹ جو خرچ ہو جاتے تو ان کو اُسی وقت یا داشت میں لکھ لیتے۔ اور مہینے کے ختم پر ان سب منٹوں

(میں نے دیکھا کہ حضرت اقدس سہارنپوری آخر ۱۳۴۴ھ میں جب حجاز سے واپس تشریف لائے تو یہ فرما کر تنخواہ چھوڑ دی تھی کہ)

کو جمع فرما کر اتنے وقت کو رخصت اتفاقیہ میں لکھوا لیتے اور حسب ضابطہ تنخواہ وضع کروا یا کرتے تھے اپنے ضعف وغیرہ کی وجہ سے مدرسہ کے اوقات کا پورا تحفظ نہیں کر سکتا۔ اب تک میں تنخواہ اس لئے لیتا رہا، کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں بلا تنخواہ کام کرتے تھے۔ اور میرا اور ان کا کام مل کر ایک مدرس سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ مگر اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لئے میں اب تنخواہ لینے سے معذور ہوں۔ تقریباً ایک سال تک حضرت قدس سرہٗ اس زمانہ کے سرپرستان حضرت رائے پوری حضرت تھانوی وغیرہ نور اللہ مرقدہم سے اس پہ اصرار فرماتے رہے میں نے اپنے والد کو دیکھا کر سردی میں اپنا سالن مدرسہ کے حمام کے سامنے رکھ دیتے جو اسکی دور کی شعاع سے گرم ہو جاتا۔ لیکن اس پر بھی سردی کے ختم پہ دو چار روپے روپیہ اس کے معاوضہ میں چندہ کے نام داخل کرا دیتے تھے۔ اس قسم کی متعدد واقعات کی بنا پر مجھے ہمیشہ سے اپنی تنخواہ کے واپس کرنے کا واعیہ رہا۔ مگر بعض دوسرے خیالات اسکی تکمیل میں مانع رہے۔ مندرجہ بالا تعداد میں سے تقریباً ایک ہزار روپیہ کی رقم میں مجھے خصوصی اشکال تھا۔ اس لئے بندہ اسکی پیشکش تو ۱۳۴۵ھ میں کر چکا تھا جو اسی سال روئیداد میں مفصل طبع ہو چکا تھا۔ اور وہ رقم پوری ہو گئی تھی۔ بقیہ کی پیشکش اس وقت کرتا ہوں۔ اس طرح پہ کہ تو نقد پیش ہیں بقیہ بارہ سو میں سے اس ناکارہ کی حیات تک /۲۰ روپیہ ماہانہ بندہ سے وصول کرتے رہیں اور تکمیل رقم سے قبل اگر اس ناکارہ کا انتقال ہو جائے تو جتنا اس وقت باقی ہو، وصیت کرتا ہوں بندہ کے کتب خانہ سے وصول کر لی جائے۔ فقط والسلام ۱۱ رشوال ۱۳۸۰ھ
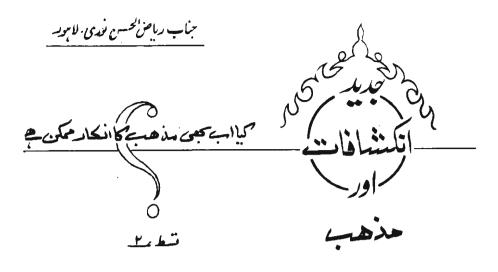
(بواسطہ حاجی محمود صرافہ بازار۔ راولپنڈی)

سٹالن کی بیٹی سونتیلانہ کی رجعت

سوتیلانہ خالص سوشلسٹ ماحول میں انقلاب کے بعد پیدا ہوئی اور تربیت کے لئے اسکو وہ لوگ ملے جو کٹر کمیونسٹ اور مثالی کمیونسٹ تھے۔ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے نکتہ نگاہ سے اس سے بہتر ماحول کے متعلق سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اس پر سرمایہ داروں کا سایہ بھی نہیں پڑا۔ اب ذرا ان کا بیان سنئے۔ آپ لکھتی ہیں:

" یہ ماسکو میں ۱۹۶۱ء کا واقعہ ہے۔ میری عمر اسوقت ۳۵ سال کی تھی ..... بچپن میں میری صحت اچھی نہ رہتی تھی۔ ہر سال اسکول میں آدھی کلاسیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ کبھی مجھے اختلاجِ قلب کی شکایت ہو جاتی تو کبھی زکام اور کھانسی کی۔ کبھی دل کے نزدیک اعصابی دورے ہونے لگتے۔ میں افسردہ رہتی اور زود رنج طبیعت پائی تھی۔ مجھے اندھیرے، مردوں، غنڈوں اور شرابیوں سے ڈر لگتا تھا۔ میں اکثر پریشان اور فکرمند رہتی، مجھے مذہب یا مذہبی دعاؤں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بچپن میں بھی میں چند ایسے ہم عمر لوگوں کو جانتی تھی جو مذہبی خیالات رکھتے تھے مگر میں ہمیشہ انہیں حیرت اور عزت سے دیکھا کرتی تھی۔"

پھر بہار آئی، اس مرتبہ میں نے محسوس کیا کہ میرے خون کے ہر قطرہ میں بہار آئی ہے ... پھول چہار طرف کھلنے لگے ..... پہلی دفعہ میں نے زندگی میں خوشی محسوس کی ..... مجھے بارش۔ دریا۔ گھاس کے سبزہ زار۔ غرض ہر چیز میں حسن نظر آنے لگا ..... ان دنوں اینڈری سنیاوسکی[1] سے گفتگو کے دوران خودکشی کا ذکر چھڑ گیا۔ اس نے بتایا کہ خودکشی کرنے والا سوچتا ہے کہ وہ اپنے آپکو ختم کر رہا ہے۔ وہ صرف اپنے جسم کو ختم کرتا ہے۔ اس کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ روح پر تو صرف خدا ہی قبضہ کر سکتا ہے۔ زندگی خدا

---

[1] یہ شخص ان دنوں روس میں ورلڈ لٹریچر کے انسٹی ٹیوٹ میں ادب کے نقاد کے عہدے پر فائز تھا۔ یہ عہدہ سرکاری تھا۔ (دیکھئے اونلی ون ایئر۔ ص ۲۶۶)

ہی دیتا ہے۔ اور وہی اسے واپس لیتا ہے۔ خودکشی زندگی کے قوانین میں خلل انداز ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے خودکشی گناہِ کبیرہ ہے۔ اس کے ذریعہ انسان کسی چیز سے آزادی حاصل نہیں کرتا بلکہ اپنی روحانی تکالیف میں اضافہ کر لیتا ہے ...... معلوم نہیں کہ یہ ذکر کیسے چھڑ گیا مگر میری آنکھیں کھل گئیں ..... کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ کسی کی زندگی چھینے یا اسے ختم کر دے۔ نہ اپنی نہ کسی اور کی۔ نہ ہی ہم زندگی بخشتے ہیں اور نہ ہی ہمیں اس کے چھیننے کا حق ہے۔ تم کسی کو قتل نہیں کرو گے، یہ انسانی زندگی کی بنیاد ہے۔ زندگی ابدی اور شاندار ہے۔ ایسی ہی شاندار جیسی یہ قوس قزح۔ جیسے یہ بارش، جیسے یہ بہار کا موسم۔ زندگی پر حملہ بہت بڑا جرم ہے۔ زندگی میں مدد دینا بہت بڑی خوشی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس تمام زندگی کا حصہ سمجھے جو فرش سے عرش تک کے ستاروں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس پر خوشی محسوس کرے۔ اس کا شکریہ ادا کرے۔ یہی مذہبی احساس ہے۔ —— مجھے حضرت داؤدؑ کے گیتوں اور حمد میں مذہبی جذبات محسوس ہوئے —— آپؑ اپنے گرد کی زندگی دیکھ کر خوش ہوتے اور اس میں آپؑ کو خدا کی قدرت نظر آتی ..... وہ خدا ہی سے مدد مانگتے، جب ان کو مدد کی ضرورت ہوتی۔ اپنی کمزوریاں اللہ کے سامنے ظاہر کرتے، اس سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے، استغفار کرتے، اسی کا لگاتار شکر ادا کرتے۔ اس خدا کا جو انسان کی مدد کرتا ہے۔ مصیبتوں میں کام آتا ہے —— مجھے جتنی تقویت حضرت داؤدؑ کے حمد بھرے گیتوں سے ملتی تھی۔ اتنی کسی اور چیز سے نہ ملتی[1] —— ۱۹۶۱ء کی موسم بہار میں ایک عیسائی گرجا میں جا کر میں نے لیا۔ کیونکہ میں ان لوگوں میں گھل مل جانا چاہتی تھی جو خدا میں یقین رکھتے ہیں —— پادری جانتا تھا کہ میں عیسائی بن کر پارٹی کے قانون کو توڑ رہی ہوں۔ یہ چیز میرے اور اس کے دونوں کے لئے خطرناک تھی۔ اسی وجہ سے اس نے میرا نام چرچ کے رجسٹر میں درج نہیں کیا۔

—— بچپن میں مجھے جو چیز بری بتائی گئی تھی اسکو اب میں اچھا سمجھنے لگی، اور جنکو اچھا سمجھنا سکھایا گیا تھا۔ اب میں انہیں برا خیال کرنے لگی۔ اب میں جنگوں اور انقلاب کے ہیروز کو کوئی وقعت نہ دیتی تھی۔ تشدد، جیل، جاسوسی وغیرہ اشیاء میرے نزدیک قبیح چیزیں بن گئیں —— جھوٹ سے میں اتنا خوف کھانے لگی کہ اس سے فوراً بھاگ کر دور ہو جانا چاہتی تھی ......

اب میری صحت بہت اچھی ہو گئی، مجھے جینے کا لطف آنے لگا۔ آج میری جسمانی حالت اس سے کہیں بہتر ہے، جو بیس سال قبل تھی —— اس کے بعد سے میں نے بہت سے گرجے دیکھے ہیں اور کئی

---

[1] یہ سٹالن کی بیٹی کے منہ سے اللہ کے قرآنی قول کا جیتا جاگتا ثبوت اور اقرار ہے۔ یعنی یہ قولِ الٰہی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

مذاہب کی عبادتیں دیکھی ہیں مسلمانوں کی کھلی فضا میں نماز کی کچھ اور ہی شان و شوکت ہے مسجدوں کے مستطیل رقبوں میں نماز ہوتی ہے ۔ یہ لوگ بتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ خدائے برتر کا کوئی مجسمہ بناتے ہیں ۔ میرے نزدیک سب سے بہترین عبادت خانہ تاروں بھرا آسمان ہے ۔

سوتیلانہ کی یہ بات سن کر مجھے یاد آگیا کہ سنن نسائی میں ہے کہ حضورؐ رات کو آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کرتے تھے : ربنا ماخلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار ۔ یعنی اے ہمارے رب آپ نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا ۔ آپ پاک ہیں ۔ پس ہمیں عذابِ دوزخ سے بچالیں ——— پس ثابت ہوا کہ جو کچھ قرآن و سنت میں ہے ، وہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے ۔ یعنی جو اللہ کی حمد کریگا ۔ اطمینانِ قلب حاصل کریگا ۔ جو اسکی قدرت دیکھے گا ۔ اس کا دل اس کے آگے سربسجود ہونے کو چاہے گا ۔

ہٹلر کی رجعت اب نیشنل سوشلزم کے علمبردار ہٹلر کا انجام بھی سن لیجئے ۔ روس کے سرکاری صحافی لکھتے ہیں کہ ہٹلر جس نے چرچ کے خلاف اس لئے کارروائیاں کی تھیں کہ خدا ہٹلر کی خدائی میں دخل در معقولات نہ کر سکے ، اسکو موت سے پہلے اچانک خدا یاد آگیا ۔ اور اسے یہ بھی احساس ہوگیا ۔ کہ بغیر نکاح کے ایک عورت کے ساتھ رہ کر وہ گناہ کا مرتکب ہوتا رہا ہے ۔ جب اسکی داشتہ کو شادی کا پیغام سنایا گیا تو اسکو یقین نہ آیا ۔ قصہ مختصر ہٹلر نے مرنے سے پہلے نکاح کر لیا ۔[1]

مذکورہ بالا واقعات سن کر قرآن کی وہ آیت یاد آجاتی ہے جس میں عالمِ ارواح کے میثاق کا ذکر ہے ۔ یوں ملحدوں کے لئے بھی اس میثاق کا عملی ثبوت فراہم ہو جاتا ہے ۔

واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورھم ذریتھم و اشھدھم علی انفسھم الست بربکم ۔ قالوا بلیٰ شھدنا ۔ الخ (الاعراف ۔ ۱۷۲) یعنی عالمِ ارواح میں جب آپکے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ۔ ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں ۔[2]

---

[1] ہاؤ وارز اینڈ مطبوعہ پروگریس پبلشرز ماسکو ۔ ص ۔ ۲۵۰ HOW WARS END P- 250. PUBLISHED-1969

[2] یہ عالمِ ارواح کے میثاق کا ہی اثر ہے جسکی یاد ہمارے لاشعور میں موجود ہے ۔ جسکی وجہ سے بڑے بڑے منکرِ خدا بھی خاص موقعوں پر خدا کو پکار اٹھتے ہیں ۔ سٹالن ۔ ہٹلر ۔ نپولین وغیرہ وغیرہ بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں ۔ جہاں تک سائنس دانوں کا تعلق ہے ۔ تو سقراط ، نیوٹن سے لیکر آئنسٹائن تک سب ہی خدا پرست گذرے ہیں ۔

مزید قرآن میں کیئے گئے مندرجہ ذیل وعدے کی مثال بھی سامنے آجاتی ہے۔

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق۔ (حم السجدۃ-۵۳)

یعنی عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں گردو نواح میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر واضح ہوجائیگا کہ قرآن حق ہے۔

راقم الحروف اپنے مختلف مضامین میں یہ واضح کرچکا ہے کہ جدید سائنسی انکشافات کی وجہ سے اب نہ مذہب کا انکار ممکن رہا ہے۔ اور نہ ہی تصوف کا۔ لیکن ہمارا جدید مغربی تعلیم یافتہ طبقہ قریباً سب کا سب ہی ان انکشافات اور ان کے نتائج سے بے بہرہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ طبقہ مغرب کے پروپیگنڈے اور یورپ کی ظاہری چمک دمک سے بہت مرعوب ہے۔ نہ اسکو جدید تحقیقات جو سائنسی و معاشرتی علوم میں ہو رہی ہیں۔ ان کا کما حقہٗ علم ہے اور نہ ہی اسلام کا صحیح علم ہے۔ اس میں بہت کچھ کوتاہی ہمارے علماء کی بھی ہے، گنتی کے چند بڑے بڑے علماء کو چھوڑ کر عام علماء بھی اسلام سے واجبی واقفیت ہی رکھتے ہیں۔ دراصل من حیث القوم۔ ہم نے علم سے منہ موڑ لیا ہے۔ بلکہ آزادی کے بعد سے ہمارا علمی شوق اور جستجو زیادہ ہونے کی بجائے کم ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل وجہ علمی زوال ہے۔ اسوقت اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں غزالی جیسی ہستیاں پیدا ہوں جو جدید علوم میں مہارت حاصل کرکے سائنسی علوم کو اسلامی رنگ میں رنگ کر انکو درسِ نظامی کا حصہ بنائیں۔ ڈاکٹر اقبال کو بھی ایک موقعہ پر یہ کہنا پڑا کہ ؎

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی مِرا ایمان زناری

ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال نے اپنے لیکچرز میں بعض جگہ معذرت خواہانہ یہ اختیار کیا ہے۔ بہر حال اب جدید انکشافات کی وجہ سے کسی مسلمان کو بھی معذرت خواہانہ نظریہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ چیز یورپ کا مقدر ہوچکی ہے، اور یورپ نے اگر سنبھالا نہ لیا تو وہ خودکشی کی راہ پر جارہا ہے۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
شاخِ نازک پہ جو آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

بالآخر ڈاکٹر صاحب کو بھی اصلیت کا احساس ہوگیا اور انہوں نے اعلان کردیا ؎

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

یاد رہے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (ج ۱۹ ص ۱۰۱۳) کے مطابق ہٹلر نے ستاون لاکھ یہودیوں کو قتل کرایا تھا۔ یہ لوگ سول آبادی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ہے سوشلزم اور مغرب کی تہذیب کا ظلم اور بربریت
کچھ لوگوں کا دعوی ہے کہ ہٹلر کو اس قتل عام میں پوپ پائس ۱۲ کی خفیہ تائید حاصل تھی۔ اس موضوع پر جرمن میں کتاب ROLF HOCHHTH نے لکھی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ امریکہ سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام "دی ڈپٹی" ہے۔ ناظرین اسکی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں خود اپنی رعایا کا اسطرح قتلِ عام صرف سوشلسٹوں ہی نے کیا ہے۔

ذہنی غلامی کا مسئلہ | آزادی ملنے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو جاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں سیاسی غلامی ختم ہو بھی جاتی ہے۔ وہاں پھر بھی نہ صرف یہ کہ ذہنی غلامی قائم رہتی ہے۔ بلکہ مزاحمت کے میکانکی سسٹم (MECHANISM OF RESISTANCE) کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ذہنی غلامی اتنے عروج پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان کی سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ایسی ذہنی غلامی خاص مسلمانوں کے مغرب زدہ طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بالشویکوں کے متعلق جنکا دوسرا نام سائنٹیفک سوشلسٹ ہے۔ ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔
برٹرینڈ رسل یعنی بھٹو، بھاشانی۔ قصوری اور مجیب وغیرہ کے ہیرو نے اس سے بھی شدید خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

Those who accept Bolshevism become impervious to scientific evidence, and commit intellectual suicide[1]

(ترجمہ: جو لوگ بالشوازم (یعنی سائنٹیفک سوشلزم) کو قبول کر لیتے ہیں کہ سائنسی ثبوت و شہادت بھی ان پر کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی) یعنی بالکل ٹھس ہو جاتے ہیں۔

جو بات رسل صاحب پر اب منکشف ہو رہی ہے۔ قرآن اسکا اعلان چودہ سو سال کو رسل صاحب بھی دہرانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور قرآن کی حقانیت سب کے سامنے واضح ہو کر آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها۔ یعنی ان کے قلوب ہیں مگر وہ ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ ان سے دیکھ نہیں پاتے۔ آخر کار آزاد خیال مفکر رسل صاحب بھی ان سوشلسٹوں کو دیکھ کر اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی بھی

[حاشیہ: سے دن رات نگاہ دار اس دنیا کے کونے کونے میں گردش کر رہا ہے ...]

۱؎ پریکٹس اینڈ تھیوری آف بالشوازم۔ مصنفہ برٹرینڈ رسل۔ ص ۵۵

ایسی بڑی تعداد ہوسکتی ہے۔ جو صاف اور واضح دلائل اور سائنسی شہادتوں سے کوئی اثر نہ لیں اور ذہنی خودکشی میں مبتلا ہو کر آنکھیں بند کئے رکھیں۔ اسی طرح سے آیت کا ثبوت بھی سامنے آگیا کہ : سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق۔

یاد رہے کہ پاکستان ٹائمز لاہور مجریہ ۵ / فروری ۱۹۷۰ء کی خبر کے مطابق میاں محمد علی قصوری نے رسل صاحب کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ وہ تاریخ انسانی کے سب سے بڑے انسان دوست (HUMANIST) اور عظیم ترین آزاد مفکر تھے۔ مجیب صاحب نے فرمایا کہ وہ کسی ایک قوم کے نہ تھے بلکہ وہ تمام انسانیت کے لئے تھے۔ عوامی لیگ کے نائب صدر مشتاق احمد نے فرمایا کہ ان کے انتقال سے ذہنی خلا پیدا ہوگیا ہے، اور دنیا اس عظیم مفکر سے جو استحصال کے خلاف جنگ کرتا رہا ہے محروم ہوگئی ہے۔ پاکستان ٹائمز مجریہ ۷۰-۲-۶ کے مطابق بھاشانی صاحب نے انہیں نہ صرف موجودہ دور کا سب سے بڑا انسان دوست قرار دیا بلکہ اسکی بخشش کی دعا بھی مانگی[1] روزنامہ مشرق مجریہ ۴ / فروری ۱۹۷۰ء کے مطابق بھٹو صاحب نے برٹرینڈ رسل کو دنیا کے لئے عموماً اور ان لوگوں کے لئے خصوصاً عظیم نقصان قرار دیا جو کہیں بھی ظلم و ستم کے خلاف جدوجہد کر رہے ہوں[2] امریکن حکومت برٹرینڈ رسل کے کسقدر خلاف ہے۔ اسکا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ تادم تحریر لاہور میں امریکن سنٹر کی لائبریری میں ان کی ایک کتاب بھی موجود نہیں۔

برٹرینڈ رسل اور مارکس | ہم حیران ہیں کہ مذکورہ بالا لیڈر۔ برٹرینڈ رسل کو عظیم ہیرو سمجھنے کے باوجود ان کے

---

[1] مولانا کہلوانے والے یہ لیڈر قرآن سے اس قدر ناواقف تھے کہ انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن کی رو سے کسی غیر مسلم کے لئے بخشش کی دعا مانگنا حرام ہے۔ یا پھر وہ قرآنی احکام کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

[2] مشہور سوشلسٹ رسالہ "نصرت" نے برٹرینڈ رسل کو سوشلسٹ اور عظیم انسان قرار دیتے ہوئے اس کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ایک طویل مضمون لکھا۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"وہ سوشلسٹ بن گئے، ورثے میں جو تھوڑا بہت سرمایہ ملا تھا۔ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے ہاتھوں سے کمائے ہوئے روپیہ پر گذر اوقات کرنے لگے۔ اپنی تمام دوستیوں اور شاہانہ طرز زندگی کو ختم کر دیا۔ بھائی کا چھوڑا ہوا خطاب "ارل" استعمال کرنے سے صاف انکار کر دیا۔"

(ماہنامہ نصرت بابت مارچ ۱۹۶۷ء)

انکار سے اتنے نابلد کیوں ہیں کہ سوشلزم و قومی ملکیت کو ہر دکھ کا مداوا سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر واقعی ان لوگوں نے رسل کی کتب کا مطالعہ کیا ہوتا تو کبھی سوشلزم اور قومی ملکیت کے گن نہ گاتے۔ اس بات سے بھی ہمارے نظریہ کی تائید ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے جغادری لیڈر بھی علم کے معاملے کتنے کورے ہیں۔

برٹرینڈ رسل نے ایک مضمون لکھا عنوان ہے۔ " میں کمیونسٹ کیوں نہیں ہوں " یہ مضمون ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں آپ یوں رقمطراز ہیں :

In relation to any political doctrine there are two questions to be asked : 1- Are its theoretical tenets true ? 2- Is it practical policy likely to increase human hapiness ? For my part, I think the theoretical tenets of communism are false, and I think its practical maxims are such as to produce an immeasurable increase in human misery ...... I have always disagreed with Marx. My first hostile criticism was published in 1896. But my objections to modern communism go deeper than my objections to Marx.[1]

ترجمہ: کسی سیاسی نظریہ کے متعلق دو سوالات پوچھے جاتے ہیں : ۱- کیا اس کے نظریاتی اصول درست ہیں۔؟ ۲- کیا اسکی حکمت عملی سے انسانی خوشی میں اضافہ ہوگا۔ ؟ جہاں تک میرا تعلق ہے، میرا خیال یہ ہے کہ کمیونزم کے نظریاتی اصول جھوٹے یعنی غلط ہیں۔ اور اس کے عملی اصول ایسے ہیں جو انسانی مصیبتوں اور پریشانیوں میں لامحدود اضافہ کر دیتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

---

[1] دی بیسک رائیٹنگز آف برٹرینڈ رسل ص ۴۷۹، ۴۸۰

علامہ اقبالؒ — عربوں کی نظر میں

ڈاکٹر عبدالرحمان شاہ ولی الازہری

اقبالؒ کو عربوں کی زبان اور تہذیب سے اور رسول عربی صلے اللہ علیہ کی قوم و وطن سے نہ صرف انتہائی محبت تھی بلکہ طبعی مناسبت اور لگاؤ بھی تھا، پھر یہ محبت درجۂ عشق تک اس لیے جا پہنچی کہ آپ کے خیال میں اُمتِ عربی کا وجود و بقاء محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے وابستہ تھا۔ آپ کو ہر وقت سکون و سرور کی خاطر نسیم حجاز کا انتظار رہا۔

ع سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟ نسیم از حجاز آید کہ ناید؟

اقبالؒ کو بادِ صحرائے عرب سے ہمیشہ انقلاب کی توقع رہی۔

ع نواے بادِ بیابان از عرب خیز زنیل مصریاں موجے بینگیز!

اقبالؒ نے عربوں کے شاندار ماضی اور عظمت پر فخر کیا اور اُن کے زوال اور پس ماندگی پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے اُن کو اپنا مقام دوبارہ حاصل کرنے کی نہ صرف تلقین کی بلکہ اپنے حکیمانہ کلام سے بعض عرب حکام کو انتہائی بلیغ انداز میں ملامت بھی کی۔ آپ نے اپنے اشعار میں فاروق مصر کو یوں پیغام بھیجا۔

ع بگو فاروق را پیغام فاروق کہ خود در قصر سلطانی بیاویز

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد ضمیرش باقی و فانی بہم کرد!
ولیکن الامان از دورِ حاضر کہ سلطانی بشیطانی بہم کرد

اقبالؒ یہ تمنّا اور حسرت لے کر اپنے رب سے جا ملے کاش کہ اُن کو عربی پر زیادہ عبور حاصل ہوتا تو اپنا کلام بجائے فارسی کے عربی میں مسلمانوں کو پیش کرتے۔ اقبالؒ کی یہ آرزو اور تمنّا درحقیقت اس کی اس عقیدت کی عکاسی تھی کہ عربی مسلمانوں کی زبان ہے اور انسانی اتحاد کا مرکز بجائے جینوا

کے مکہ مکرمہ ہے۔ حضرت علامہ کے یہ افکار درحقیقت اس کی اسلام سے گہری عقیدت اور محبت کا نتیجہ تھا۔ ورنہ ان حالات اور اس زمانے میں جس میں اقبال ہیں اس قسم کی باتیں سوچنا اور اس کا پرچار کرنا ہر کس و ناکس کی بس کی بات نہ تھی۔

اقبال کی اسلام اور عربوں سے عقیدت اور اُس کے حُرّیت پسندانہ جدید افکار جُوں جُوں عرب کے دانشوروں کے علم میں آتے رہے تو انہوں نے اس کو سراہتے ہوئے اقبال کے مزید افکار کی جستجو میں مصروف ہوتے رہے۔ چنانچہ جب حضرت علامہ اقبال نے مصر میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام اور دیگر دانشوروں سے مُلاقات کی تو اس وقت سے عربوں کی نظر اقبال کی شخصیت اور مقام دانش پر پڑھنے سے ان میں محکمہ اقبال سے روشناس ہونے کا جذبہ پیدا ہُوا اور علامہ کے فوت ہونے کے بعد جب ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مصر کے پہلے سفیر کی حیثیت سے پاکستان تشریف لے آئے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اقبال کی کچھ کتابوں کا منظوم ترجمہ کیا بلکہ اقبال کے حضور میں منظوم نذرانہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اقبال کے فکر و زندگی پر بھی عربی میں لکھا۔ جس سے اقبال کا تعارف عربوں میں کافی تفصیل سے ہوا۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے کچھ شعر اقبال کے مزار پہ کندہ ہیں جن میں اقبال کے اس بیت : نسیم از حجاز آید کہ ناید ! کا جواب اور اقبال سے انتہائی عقیدت کا اظہار پایا جاتا ہے :۔

۱۹۳۱ء میں جب علامہ مرحوم مؤتمر اسلامی کے سلسلہ میں بیت المقدس تشریف لے گئے تو اس وقت ان سے ملنے والوں میں لبنان کے مشہور عرب دانشور اکرم زعیتر بھی تھے۔ اُنہوں نے علامہ سے اپنی اس ملاقات کے کچھ تاثرات مجلہ (العربی) کے صفحات پر ۱۹۷۶ء میں یادداشت کے زیر عنوان اس طرح بیان کئے ہیں :۔

"اقبال نے اس وقت اپنے لیکچر میں فرمایا تھا کہ مسلمان جب پیدا ہو کر لا الٰہ الا اللہ سُنتا ہے اور پھر اس کو بار بار دہراتا ہے تو یہ درحقیقت اس کی طرف سے خدا کے ساتھ عہد ہے کہ وہ مقدس مقامات کی حفاظت کرے گا"

مَیں نے اقبال سے مل کر باتیں کیں اور وہ مجھے بہت ہی پسند آئیں اور مجھ کو یاد ہے کہ جب مؤتمر ختم ہونے سے پہلے علامہ اقبال کو مجبوراً جانا تھا تو انہوں نے مؤتمر کو انتہائی مؤثر الفاظ سے رخصت کرتے ہوئے فرمایا :۔

"اگر تم نے اپنے آپ کو بدلا تو پورے جہاں کو بدل دو گے۔ اس وقت عالم اسلام کو دو سنگین خطرات درپیش ہیں اور دونوں کا مصدر یورپ ہے۔ ان خطرات میں پہلا الحاد اور

"دوسرا انتہا پسند وطنیت ہے ۔ میرا یہ ایمان ہے کہ صرف اسلام ہی ان خطرات کو روک سکتا ہے علاقائی وطنیت جس میں اعتدال ہو مضر رساں ہرگز نہیں ہوسکتی ۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد نے میرے آنسو بہائے کہ میں انبیا ء میں سے تمہارا حصّہ ہوں اور تم اُمتوں میں سے میرا حصّہ ہو ۔ مجھ کو تو اس پر فخر ہے کہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کا پیرو کار ہوں ۔ لیکن کیا ان کو اس پر فخر ہے کہ میں ان کا پیرو کار ہوں ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلام کا مستقبل عرب سے وابستہ ہے ۔ اگر عرب آپس میں مل جائیں تو اسلام اور مسلمان سر بلند ہوں گے "۔

اس مؤتمر میں مصر کے مشہور مفکّر علامہ رشید رضا مرحوم بھی تھے جنہوں نے علامہ اقبال کو ان الفاظ سے رخصت کیا :۔

"ہم اپنے عظیم اسلامی شاعر کو ایسا ہی خدا حافظ کہتے ہیں جیسا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو کہتا ہے "۔

اب آپ خود اس عرب مفکّر کے اس تاثر سے جس کو اس نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۶ء تک اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ۔ اقبال سے گہری عقیدت اور محبت کا اندازہ لگا لیجئے ۔ پھر اس کے ان چند کلمات سے آپ علامہ مرحوم کی بصیرت کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں ۔ کیونکہ اب تو عربوں کے اتحاد کی اہمیّت اور مسلمانوں کو مقدس مقامات کی حفاظت میں شریک ہونے کی اہمیّت سب پر عیاں ہے ۔

اقبال کی یہ پُر کشش شخصیت اور حریت پسندانہ ایمان سے لبریز فکر ہی عرب دانشوروں کو ان سے عقیدت اور ان کی تعریف کرنے پر مجبور کر گئی ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اہم شخصیات نے اقبال اور فکر اقبال پر عربی زمانے میں مقالے لکھے جو مصر، شام، عراق اور کویت کے اخبارات اور مجلات میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ۔ مشہور اسلامی مفکّر عباس محمود العقاد اقبال اور فکر اقبال پر لکھ چکے ہیں ۔ اور اسی طرح ڈاکٹر محمد حسنین ہیکل، ڈاکٹر زیات ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطئ ۔ ڈاکٹر شوقی ضیف ، ڈاکٹر عبد الوہاب عزام ، ڈاکٹر طہٰ حسین ، ڈاکٹر محمد السعید ، جمال الدین وغیرہ ۔ مصری مفکّرین نے اقبال پر لکھا ہے ۔ اس کے علاوہ عراق اور لبنان کے دانشوروں نے بھی اقبال پر لکھا ہے ۔ لیکن اقبال پر جو کچھ بھی عربی میں لکھا گیا ہے وہ سب چھپا نہیں کچھ غیر طبع مواد بھی ہے لیکن ان سب کے جائزہ اور تفصیل کو یہ مختصر مقالہ نہیں سما سکتا ۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے " روائع اقبال " کے نام سے فکر اقبال اور اس کی شخصیت پر عربی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے ۔ یہ کتاب اس سلسلہ میں زیادہ اہمیّت کی حامل ہے اس لیے کہ ندوی صاحب کی ایک طرف اگر فلسفہ اقبال پر نظر ہے تو دوسری طرف اس کے فلسفہ اور ذوق سے لگاؤ اور مناسبت بھی ہے اس لیے

نہ تو بعض عرب مفکرین کی طرح اقبال کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اور نہ ہمارے بعض پاکستانی دانشوروں کی طرح فکرِ اقبال سے لگاؤ اور طبعی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی فکر کی ایسی تاویلیں کیں جو کہ اُن کے منشاء کے خلاف تھے۔

فکرِ اقبال چونکہ اسلامی فلسفہ کا جزو سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے عصرِ حاضر میں جس عرب دانش ور نے اسلامی فلسفہ پر لکھا تو اس نے اقبال کے متعلق کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی لکھا ہے۔ لہٰذا اقبال اور فکرِ اقبال پر اسلامی فلسفہ کی کتابوں میں اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ اس میں اقبال پر تنقید بھی کی اور اس کے افکار کے شرح اور توضیح کے ساتھ اس کا موازنہ دیگر مفکرین کے افکار سے بھی کیا گیا ہے۔

جن عرب مفکرین نے اقبال کے فلسفہ پر تنقید کی ہے ان میں ڈاکٹر محمد البہی کا نام سرفہرست ہے۔ ڈاکٹر محمد البہی اپنے متوازن فکر اور جدید مولفات سے عالم اسلام میں بہت شہرت کے مالک ہیں۔ اس لیے اس کی یہ تنقید جو کہ اس نے اپنی کتاب (الفکر الاسلامی الحدیث وصلتہ بالاستعمار) میں فلسفہ اقبال پر کی ہے۔ اس کا عالم عرب کے علمی حلقوں میں کافی اثر ہے۔ مصر کے سابق وزیر اوقاف اور الازہر کے مدیر ڈاکٹر البہی نے مذکورہ کتاب میں فکرِ اقبال کے اہم مسائل کی شرح اور توضیح کے بعد ان کا موازنہ مستشرقین اور مفکرین عرب کے افکار سے کیا۔ پھر اقبال کا کچھ باتوں میں ان سے تاثر کو واضح کرتے ہوئے اس کے نظریہ بعد الموت پر اعتراض کیا۔ اسی طرح اقبال کے بعض آیات قرآنیہ سے استنباط پر بھی نکتہ چینی کی۔

بعض عرب دانشوروں نے اقبال پر تنقید علامہ کی کتابوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو کر کی ہے۔ لیکن ڈاکٹر محمد البہی کی تنقید کافی علمی وزن رکھتی ہے۔ اس لیے اس کے تفصیلاً جائزہ لینے کے لیے عربی زبان میں ایک علمی مقالہ درکار ہے۔ اقبال کی تمام کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہو چکا ہے۔ کچھ کتابوں کا منظوم ترجمہ ہوا ہے جیسا کہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام اور الشیخ الصاوی الشعلان نے شعر کا ترجمہ شعر ہی میں کیا ہے اور بعض کتابوں کا ترجمہ نثر میں ہوا ہے۔ جیسا کہ تشکیل الٰہیات جدیدہ کا ترجمہ عباس محمود نے کیا ہے۔ لہٰذا اب اقبال کے متعلق عرب دنیا میں غلط فہمی پیدا ہونے کے مواقع کم ہیں۔

فکرِ اقبال چونکہ جدید مسلم فلاسفی کا جز ہے۔ اس لیے جمال الدین الافغانی مفتی محمد عبدہ کے افکار کے ساتھ فکرِ اقبال بھی عرب یونیورسٹیوں میں مقررہ مضامین میں سے ہے۔ ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مقالے بھی اقبال اور اس کے فلسفہ پر عربی زبان میں عرب یونیورسٹیوں میں لکھے گئے ہیں۔ تقریباً آٹھ سال قبل الازہر کے شعبۂ فلسفہ میں ایک ہندوستانی طالب علم عبداللہ شرکاتو نے (الفیلسوف الہندی محمد اقبال) کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔ دوسرا مقالہ اسی شعبہ میں ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الکوری نے "فلسفۂ

الذاتیہ عند اقبال " کے زیر عنوان پیش کیا تھا۔ قاہرہ کی عین الشمس یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین نے بھی اس موضوع پر مقالہ پیش کیا تھا جس کو کویت کے مشہور مجلہ (العربی) نے اپنے صفحات پر جگہ دی۔ جن لوگوں نے اس پر تنقید کی وہ العربی میں نشر ہوئی۔ اسی طرح ایک مصری طالب علم نے جامعہ پنجاب میں اقبال پر ایک مقالہ عربی زبان میں لکھا جو پاکستان ریڈیو سے نشر ہُوا۔

کلامِ اقبال چونکہ فلسفہ کے علاوہ شعبہ " السنہ " شرقیہ کا بھی مضمون ہے اس لیے اس شعبہ میں علامہ کے فارسی اور اردو اشعار مقررہ مضامین کے ضمن میں پڑھائے جاتے ہیں۔

عرب ممالک کے سکولوں میں اقبال کی تاریخ حیات اور کچھ ترجمہ شدہ ترانے عرب بچوں کو یاد کرائے جاتے ہیں۔ سعودی عرب کے پرائمری سکولوں میں اقبال کا ترانہ جس کی ابتدا " چین و عرب ہمارا " سے ہوتی ہے عرب بچوں کو یاد کرایا جاتا ہے۔ اس ترانے کے عربی میں ترجمہ کے اشعار علامہ کے اشعار جیسے با اثر ہیں جن کو الشیخ الحاوی الشعلان سے ترجمہ کیا ہے۔ مصر کے سابق وزیر اوقاف اور موجودہ شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود سے مَیں نے سُنا تھا کہ اُنہوں نے علامہ اقبال سے عقیدت کی وجہ سے ان کے افکار کا مطالعہ کیا اور کچھ اس کے بارے میں لکھا بھی لیکن اقبال سے نظریہ بحث بعد الموت میں اختلاف کے باعث اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ بعد میں شائع کیا جائے گا۔ فکر اقبال کے بارہ میں متعدد مکالے عربی زبان میں عرب ممالک کے ریڈیو اور ٹی وی سے بھی نشر ہوتے رہے۔

چند سال قبل جناب فضل محمود صاحب صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی کا ایک مقالہ لیبیا ریڈیو نے نشر کیا تھا اسی طرح مصر میں ہر سال یومِ اقبال بڑی دھوم اور شوق و محبت سے منایا جاتا ہے جس میں یونیورسٹیوں کے اساتذہ بڑے قیمتی مقالے پڑھتے ہیں اور مصر کے ریڈیو اور ٹی وی سے اس کے اقتباسات نشر کئے جاتے ہیں۔ جس کا عرب عوام پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ شعر اقبال کا عرب پر اثر کرنے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم نے کلام اقبال کو گایا تو (حدیث الروح) کے کچھ اشعار قاہرہ کے بازاروں میں متعدد دکانوں پر چسپاں نظر آنے لگے۔

" آخر میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ اقبال پر اگرچہ عربی زبان میں کافی کام ہوا ہے لیکن فکر اقبال پر اسلامی فلسفہ کی طرز پر عربی زبان میں ایک کتاب لکھنے کی اشد ضرورت ہے۔"

مولانا حافظ محمد نعیم صدیقی ندوی۔ ایم۔ اے
دار المصنفین اعظم گڑھ

کردار شکنی کا المیہ

(۳)

منافقت نفاق فطرت انسانی کی ایک کمزوری اور بیماری ہے، جو اسی کی طرح پرانی اور عام ہے۔ اس بیماری کے پیدا ہونے کے لیے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ اسلام اور کفر کی دو طاقتیں میدان میں ضرور ہوں اور ان میں کش مکش جاری ہو۔ خالص اسلام کے غلبہ اور اقتدار کی حالت میں بھی ایک ایسا گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو کسی وجہ سے اسلام کو ہضم نہیں کر پاتا لیکن اس میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہیں ہوتی کہ وہ اس کا انکار اور اس سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر سکے۔ یا اس کے مصالح اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ان فوائد سے دست بردار ہو جائے جو اسلام کے انتساب سے اس کو کسی اسلامی سلطنت یا مسلمان سوسائٹی میں حاصل ہیں۔ اس لیے وہ ساری عمر اس دو عملی اور تذبذب کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کی نفسی کیفیات، اس کے اعمال و اخلاق، اس کی اخلاقی کمزوری، اس کی مصلحت شناسی، موقع پرستی، زندگی سے تمتع و لطف اندوزی کا جذبہ، دنیاوی انہماک، آخرت فراموشی، اہل اقتدار کے سامنے روباہ مزاجی اور کمزوروں غریبوں پر دست درازی "منافقین اولین" کی یاد تازہ کرتی ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ۱/۰)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں بہت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ نفاق اور منافقین کا وجود کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہر زمانہ میں موجود اور زندہ رہتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے زمانہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

اگر خواہی کہ از منافقاں نمونہ بینی رو در مجلس امراء و مصاحبان ایشاں را ببیں کہ مرضی ایشاں را بر مرضی شارع ترجیح می دہند (الفوز الکبیر ص ۱۲ مطبع محمدی)

اگر تم اس زمانہ میں منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہو تو امراء کی مجالس میں جاؤ اور ان کے ان مصاحبین کو دیکھو، جو اُن امراء کی مرضی کو خدا و رسول کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔

محدث ابوبکر فریابی نے صفة النفاق و ذم المنافقین میں امام حسن بصری کا یہ مشہور قول نقل کیا ہے کہ

یاسبحان اللہ مالقیت ھذہ الامۃ من منافق قہرھا واستأثر علیھا۔

یعنی امت میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو دل سے اسلام اور مسلمانوں کے مخلص نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو صرف اپنے اغراض اور منافع سے دلچسپی ہے۔ ان کو آئین قرآنی کے مقابلہ میں دنیوی مصالح، خواہشات نفسانی اور لذائذ جسمانی زیادہ مرغوب ہوتے ہیں۔ اور ان ہی کی تحصیل و تکمیل کے لیے وہ اسلام اور ایمان کو آڑ بناتے ہیں۔ قرآن کریم نے اخلاقیات کی اس بدترین خصلت کو خوب کھول کھول کر بیان کیا اور اس کے حاملین کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ہے مثلاً سورۂ توبہ کا ساتواں رکوع کمل منافقین کی پردہ دری میں ہے۔ اسی میں ارشاد ہے۔

ویحلفون باللہ انھم لمنکم وماھم منکم ولکنھم قوم یفرقون (توبہ — ۷)

اور یہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کے اطمینان دلاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جن لوگوں کے پاس کردار کی حجت نہیں ہوتی وہ خود کو معتبر ثابت کرنے کے لیے اکثر جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ قرآن نے منافقین کے متعلق جگہ جگہ واضح کیا ہے کہ یہ اپنے اخلاقی خلا کو جھوٹی قسموں سے پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ مسلمانوں کو مطمئن رکھنے کے لیے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے کہ ہم آپ ہی لوگوں میں سے ہیں۔ ہمارے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن نے کہا کہ یہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ محض ڈر کے سبب سے تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔ کیونکہ کفار و مشرکین کا حشر یہ دیکھ چکے، یہود و نصاریٰ کا انجام بھی ان کے سامنے ہے۔ اب کوئی راہ فرار باقی نہ رہنے کے باعث مسلمانوں

کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اگر آج انھیں اپنے مفادات کے ساتھ گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے، تو ایک دن بھی مسلمانوں کے ساتھ رہنا پسند نہ کریں۔

اسی طرح قرآنِ پاک کی بکثرت آیات میں نفاق کی حقیقت و ماہیت کی وضاحت اور منافقوں کی سازشوں سے اہلِ ایمان کو چوکنا رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ منافقت کے محرکات غیر منتہی ہیں۔ لیکن ان سب کی تہ میں صرف ایک ہی روح کارفرما رہتی ہے، یعنی قرآن پر عدم یقین اور دنیا پرستی۔ یہ صحیح ہے کہ آغازِ اسلام میں منافقین کی جس خاص قسم کا وجود تھا اب وہ نہیں پائی جاتی۔ لیکن منافقین کے دوسرے اقسام کے گروہ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ جو ملتِ اسلامیہ کی تباہی و بربادی کا کام نہایت ہوشیاری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

عصرِ حاضر میں نفاق کی کچھ نئی شکلیں اور مظاہر

آج کچھ منافق اس قسم کے بھی ملتے ہیں جن کے لیے سب سے مقدم جذبہ اپنے ذاتی مفادات اور دنیوی فائدے ہوتے ہیں۔ انھیں دوسرے الفاظ میں موقع پرست بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان کو حق و باطل کے جھگڑے سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ صرف اپنا شخصی مفاد عزیز ہوتا ہے۔ اور اس کے حصول کی خاطر وہ مسلمانوں اور کفار دونوں سے ملے رہتے ہیں۔ آغازِ اسلام میں ایسے منافقین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ قرآن پاک میں ان کی ظاہری و باطنی خصوصیات کا تفصیلی ذکر ان الفاظ میں مذکور ہے۔

ومن الناس من يقول آمنا بالله
وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين
يخادعون الله والذين آمنوا
وما يخدعون إلا أنفسهم
وما يشعرون .... وإذا
قيل لهم لا تفسدوا في الأرض
قالوا إنما نحن مصلحون

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں
کہ ہم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں
حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو اور
ایمان لانے والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔
حالانکہ یہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے
ہیں۔ جس کا وہ شعور و ادراک نہیں رکھتے۔ اور
جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ

ألا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون۔ واذا قیل لھم آمنوا کما آمن الناس قالوا انؤمن کما آمن السفھاء ألا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن۔

(البقرہ ۔ ۱)

پیدا کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صلح کل کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ یاد رکھو یہی لوگ حقیقی مفسد ہیں۔ لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اس دو رنگی کو چھوڑ کر) اس طرح ایمان لاؤ جس طرح (مخلص) لوگ ایمان لاتے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح غیر مآل اندیش اور نامصلحت شناس لوگ ایمان لائے ہیں۔ آگاہ رہو کہ فی الحقیقت بے وقوف اور انجام ناشناس یہی لوگ ہیں لیکن یہ سمجھتے نہیں۔ اور جب یہ لوگ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے شیاطین کی مجلسوں میں پہونچتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور ہم تو مسلمانوں سے یوں ہی مذاق کرتے ہیں اور انھیں بے وقوف بناتے ہیں۔

ایسے لوگ اس وقت تو سراپا ایمان بن جاتے ہیں جب احکام ہلکے اور بے ضرر ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں سخت احکام آتے اور ان کے دنیوی مفاد کو خطرہ لاحق ہوتا تو صاف کترا جاتے۔ ان کا مذکورہ بالا برتاؤ مسلمانوں اور احکام قرآنی ہی کے ساتھ نہ تھا بلکہ خود اعدائے اسلام کے ساتھ بھی ان کے تعلقات کی نوعیت اخلاص پر مبنی نہ تھی حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے نفس کے دوست تھے اور اس کی خاطر مسلم و کافر دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ موقع پر ہر ایک سے حق دوستی حاصل کریں۔ قرآن نے بڑے جامع و مانع الفاظ میں ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

مذبذبین بین ذلک لا الیٰ ھؤلاء ولا الیٰ ھؤلاء

(نساء ۔ ۲۱)

کفر و ایمان کے بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں۔ نہ مسلمانوں کی طرف ہیں نہ کافروں کی طرف

اور اپنی اسی مذبذب پالیسی کو صلح کل قرار دے کر وہ دعویٰ کرتے تھے کہ انما نحن

مصلحون (ہم تو سراپا اصلاح ہیں) اس دورخی پالیسی کو نباہنا ان کی طلاقت لسانی پر موقوف تھا۔ قرآن اس دورنگی کو ترک کرنے کا بار بار مطالبہ کرتا تھا

یہ روح نفاق آج بھی کسی نہ کسی قالب میں موجود ہے۔ مسلمانوں کے مجمع میں بانگ دہل اس کا اعلان کرنے والے بہت سے لوگ ملیں گے کہ میں سب سے پہلے مسلمان ہوں اور بعد میں کچھ اور۔ لیکن اعدائے اسلام کے سامنے اسی زبان اور حلق کی اسی طاقت کے ساتھ وہی لوگ یہ اظہار کریں گے کہ میں پہلے فلاں ہوں اور پھر مسلمان۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے احادیث میں وعید شدید آئی ہے۔ حضرت عمار سے مروی ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا میں
من لہ وجھان فی الدنیا کان	دورخا ہوگا۔ قیامت کے دن اس کی آگ
لہ یوم القیامۃ لسانان من نار	کی دو زبانیں ہوں گی۔
(ابوداؤد: باب ذی الوجھین)	

حضرت ابوہریرہ سے مروی ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اکرم نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز
تجدون شر الناس یوم القیامۃ	سب سے بڑا وہ شخص ہوگا جو دورخا منافق
ذا الوجھین الذی یأتی ھؤلاء	ہے ایک جماعت کے پاس ایک رنگ میں
بوجہ وھؤلاء بوجہ	آتا ہے اور دوسری جماعت کے پاس دوسرے
(بخاری: باب ما قیل فی ذی الوجھین)	رنگ میں۔

علاوہ ازیں منافق صفت لوگوں کی ایک خاصی تعداد ایسی بھی ملتی ہے جو دینی احکام ومناسک کا مذاق اڑاتے، اسلامی عبادات کا استہزا کرتے اور خود مسلمانوں کے اوضاع واطوار اور ان کے اعمال وکردار پر پھبتیاں کستے ہیں مثلاً ایک گروہ کے متعلق قرآن کہتا ہے:

واذا نادیتم إلی الصلوٰۃ	اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو
اتخذوھا ھزوًا و لعبا۔	یہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے
(مائدہ ــــ ۹)	ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی آیت بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

"جو لوگ شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی مسلمان ان سے دوستی رکھے۔ اگر کوئی شخص ان سے دوستی رکھتا ہے اور ایمان کا مدعی بھی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غیرت ایمانی سے خالی ہے۔ اور غیرت ایمانی سے خالی شخص اپنے ایمان کی کبھی حفاظت نہ کر سکے گا۔" (تدبر قرآن ۲/۳۲۲)

ایسے منافقوں کے بارے میں سورہ نساء میں شدید ترین الفاظ میں وعید آئی ہے۔

بشر المنافقین بأن لهم عذابا	منافقوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لیے ایک
الیما الذین یتخذون الکافرین	دردناک عذاب ہے۔ اُن کے لیے جو مسلمانوں
أولیاء من دون المؤمنین	کے مقابلہ میں کافروں کو دوست بنائے
ایبتغون عندهم العزة	ہوئے ہیں۔ کیا ان کے ہاں عزت و رسوخ
فان العزة لله جمیعا۔	چاہتے ہیں۔ عزت تو سراسر اللہ ہی کے لیے ہے۔

یعنی یہ منافقین مسلمانوں کے مقابل میں کفار کو اپنا دوست اور کارساز بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں عزت اور سرخروئی حاصل کرنے کے آرزومند ہیں۔ حالانکہ عزت و دولت سب خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ منافقانہ صفت اُن مجالس میں حاضری دیتے ہیں جہاں اللہ کی آیات و احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں یہ صریح ہدایت نازل ہو چکی ہے کہ جب دیکھو کہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ یہاں تک کہ یہ تمسخر کرنے والے کسی اور بات میں لگ جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ بھی ان ہی کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ ایسے منافقوں کو ان ہی کافروں کے ساتھ دوزخ میں جمع کرے گا۔

اس سے یہ بھی منکشف ہوا کہ جن مجلسوں میں اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا تمسخر ہو ان میں اگر کوئی مسلمان شریک ہو تو یہ اس کی بے حمیتی اور بے غیرتی کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں شرکت کو اپنے لیے وجہ عزت و شرف سمجھے تو یہ صرف بے حمیتی کی ہی نہیں بلکہ اس کے مسلوب الایمان ہونے کی بھی دلیل ہے۔ اس قسم کے منافقوں کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ جن کے ساتھ خدا کے دین

یادِ رفتگاں

مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب۔ کراچی

فرنگی محل کا آخری چراغ

یا یوں کہئے کہ بحر العلومی درسگاہ کی آخری یادگار مولانا ابو القاسم محمد عتیق جو ملا نظام الدین صاحب درسِ نظامی کی چھٹی پشت میں تھے اور نسب کے اعتبار سے انصاری اور باطنی نسبت کے لحاظ سے قادری تھے۔ ۱۰ برس کی عمر پاکر ۲۷ مئی ۱۹۷۷ء کو واصل بحق ہو گئے۔

راقم الحروف کو ان سے نیاز حاصل کرنے کا سب سے پہلا موقع جولائی ۱۹۶۱ء میں ملا تھا۔ میں لکھنؤ پہنچا ہوا تھا، حاضری کا مقصد اپنے مخدوم حضرت مولانا عبد الباریؒ سے حصول فیض تھا، حضرت نے خوب خوب نوازا، عرفی معنی میں بھی اور ایک شیخ عالی نسبت کی حیثیت سے بھی، ایک روز فرمانے لگے کہ چلئے آپ کو فرنگی محل دکھلا لاؤں، فرنگی محل کے علماء میں تین حضرات سے تو مجھے نیاز حاصل ہی تھا، ایک تو حضرت مولانا قطب میاں (قطب الدین عبد الوالیؒ) برادر زادہ و خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ دوسرے مولانا جمال میاں زاد فضلہٗ (صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ) اور تیسرے مولانا صبغۃ اللہ شہید مرحوم۔ حضرت مولانا قطب میاںؒ رحلت فرما چکے تھے۔ مولانا جمال میاں صاحب پاکستان میں تھے۔ البتہ مولانا شہید وہیں تھے، میرے مخدوم مجھے فرنگی محل جو لے گئے تو پہلے مولانا شہید ہی کے دولت کدہ پر۔ مگر وہ لکھنؤ سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے، ان کے صاحبزادہ مولانا ہاشم صاحب سے نیاز حاصل ہوا، دیکھا کہ وہ اتباع شریعت میں اپنے والد ماجد سے بڑھے ہوئے نظر آتے اور سنا کہ ایک خوش بیان واعظ کی حیثیت سے بھی انہیں شہرت حاصل ہے۔ یہاں دس پندرہ منٹ کی نشست رہی، یہاں سے اٹھ کر اب ہم آئے حضرت مولانا حافظ قاری مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب انصاری کے مدرسہ و قیام گاہ آستانہ حمیدیہ ٹکسال پر، مولانا گھر کے اندر تھے، اطلاع پاکر باہر تشریف لائے۔ حضرت مولانا عبد الباری صاحب سے بڑے تپاک سے ملے۔ اپنی جائے نشست پر بیٹھنے کی فرمائش کی۔ ادھر سے گو انکار ہوتا رہا، مگر انکار پر بالآخر اصرار غالب آگیا اور حضرت نے صاحبِ خانہ کی فرمائش پوری فرما دی مگر صدر نشین ہو کر بھی کمال عجز کا مرقعہ

بن کر بیٹھے، بزرگوں کی صحبت میں یہی رنگ ڈھنگ تو دیکھنے اور سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ بہرحال اس کے بعد حضرت نے اس غریب الوطن کا تعارف مولانا انصاری سے کرایا۔ اور جانِ تعارف وہی نسبت سلیمانیہ کا اظہار تھا۔ بس اس نسبت کا کھلنا تھا کہ مولانا بڑی شفقت و محبت سے متوجہ ہوئے، فرمایا کہ آپ کی کتاب (تذکرۂ سلیمان) کی تعریف بہت سنی ہے۔ مگر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، عرض کیا کہ کراچی بھیجتے ہی اس کا ایک نسخہ خدمتِ والا میں بھیج دوں گا۔

اس کے بعد حضرت سے مخاطب ہوکر اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "آپ کو اپنا مسودہ دکھلا دوں، شاید آپ کے ذریعہ کراچی میں اسکی اشاعت کا سامان ہو جائے۔؟" حضرت نے فرمایا: "جی ہاں ضرور دکھلا دیجئے۔ مولانا فوراً اٹھے الماری کھولی اور ایک ضخیم مسودہ نکال میرے ہاتھوں میں لاکر رکھ دیا۔ مسودہ کیا تھا، جیسے کہ کہنا چاہیئے کہ ایک مثال، اندازہ ہوا کہ مولانا کس قدر خوش نویس بھی ہیں۔ یہ تھا قرآن پاک کا ترجمہ اور اس پر سہ گانہ حاشیہ جو منفرد نوعیت کا نظر آیا۔ اسکی کچھ تفصیل مولانا نے اپنی زبان سے بھی فرمادی۔ کھول کر ادھر ادھر سے دو ایک مقامات دیکھے اور ایک کمترین اور کم سواد کیطرف سے تحسین کا ہدیہ جس ادب سے پیش ہونا چاہیئے تھا۔ پیش کر دیا گیا، مولانا مسرور ہوئے، دعادی اور فرمایا کہ کراچی میں اسکی اشاعت کیلئے ناشروں سے بات کیجئے، مالی منفعت قطعاً پیش نظر نہیں بلکہ صرف یہ شائع ہو جائے،

اس ضروری گفتگو کے بعد عام بات چیت رہی، سادگی کے ساتھ چائے کی ضیافت سے بھی نوازا گیا، پھر ہم دونوں خادم و مخدوم وہاں سے رخصت ہوکر جب گھر لوٹے تو راستہ میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب نے مولانا مفتی محمد عتیق صاحب کے زہد و تقویٰ کا تذکرہ دیر تک فرمایا، فرمایا کہ مجھے مولانا کی یہ بات کھٹکتی تھی وہ تعویذ لکھ کر اس پر ہدیہ بھی لیتے ہیں[1] گو وہ ہدیہ بہت ہی معمولی ہوتا ہے مگر بعد کو یہ بات وثوق سے معلوم ہوئی کہ وہ اس پیسے سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں فرماتے۔ بعض مرتبہ فاقہ تک کی بھی نوبت گھر میں آئی مگر نہ اس کا اظہار ہونے دیا اور نہ اس آمدنی کو ہاتھ لگایا۔ بلکہ یہ آمدنی مدرسہ کے غریب طلبہ کے لئے وقف رہی، مولانا کے اس طرز سے دل میں بڑی عظمت پیدا ہوئی۔" ـــــ واقعی یہ زہد اور لومۃ لائم سے بے پروائی کی کیسی نادر مثال ہے۔

مولانا سے دوبارہ نیاز ۱۹۶۵ء میں حج کی حاضری کے وقت مکہ مکرمہ میں حاصل رہا۔ پھر ۱۹۷۰ء میں جب

---

[1] مولانا کے تعویذوں کی تیر بہدف تاثیر کا لکھنؤ میں بڑا شہرہ تھا۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرماتے تھے کہ خود انکی صاحبزادی جب برسوں کی علالت میں ہر علاج سے شفایاب نہ ہوئیں۔ تو پھر حضرت مولانا عتیق صاحب کا تعویذ شفائے کامل کا سبب بن گیا۔

مولانا اپنے ترجمۂ قرآن کی طباعت و اشاعت کی غرض سے خاص طور پر کراچی تشریف لائے اور کئی مہینے یہاں مقیم رہے تو ملاقات کی سعادت ملتی رہی، جب دیکھا ان کی عالمانہ شخصیت پر مسکنت اور درویشی کا رنگ غالب نظر آیا، وہ ایک کم سخن اور نرم گو بزرگ تھے۔ ایک حاضری میں حضرت ممدوح نے مجھ سے فرمایا کہ "۱۳۶۱ھ م ۱۹۵۰ء کے حج کی حاضری میں میں نے اور حضرت سید صاحبؒ نے ایک ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر توفیق الشلبی الطرابلسی الشامی ثم المدنیؒ سے سندِ حدیث حاصل کی تھی، اور یہ سند بہت عالی ہے۔" چنانچہ اس سند کا ایک مطبوعہ نسخہ اپنی شفقت سے مجھے عطا کیا۔ یہ سند ان دونوں حضرات سے بارہ واسطوں کے ساتھ امام بخاری قدس سرہٗ اور پندرہ واسطوں سے امام مسلم نور اللہ مرقدہٗ تک پہنچتی ہے۔ اور اس پر تاریخ اجازت ۱۰ر محرم ۱۳۶۱ھ پڑی ہے۔

حضرت مولانا عتیق صاحبؒ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

مولانا ابوالقاسم محمد عتیق بن مولانا ابوالحامد محمد عبدالحمید بن مولانا ابوالحیا عبدالحلیم بن مولانا ابوالبقا محمد عبدالحکیم بن مولانا ابوالعیش محمد عبدالرب بن ملک العلماء ابوالعیاش عبدالعلی محمد بحرالعلوم بن استاذ الہند ملا نظام الدین محمد (بانیٔ درس نظامی) بن حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

مولانا کا سنہ ولادت ۱۳۲۶ھ اور تاریخ ۷ر جمادی الثانی ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ اور پہلا محراب ۱۳۳۹ھ میں سنایا۔ ۱۳۴۰ھ میں فارغ التحصیل بھی ہوئے اور اپنے والد ماجد کے دستِ مبارک پر قادریہ سلسلہ میں بیعت کی اور بعد کو خلافت بھی پائی۔

مولانا کو قرآن پاک اور ذات محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے عشق تھا۔ اس لئے انہیں دونوں موضوعات کی علمی خدمت کا شرف حاصل رہا۔ قرآن پاک کے آداب تلاوت پر ایک رسالہ، احکام القرآن میں ایک کتاب، سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح کی تفسیر وغیرہ لکھی، سیرۃ محب طبری کا ترجمہ کیا اور "مسجل الصلوات علی سید الکائنات" کے زیرِ عنوان درود شریف کا مجموعہ مرتب فرمایا۔ مگر سب سے بڑا اور اہم کارنامہ مولانا کا سلیس اور بامحاورہ ترجمۂ قرآن اور اس کے ساتھ انوکھے حواشی ہیں۔ جنکی قدرے تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

رکن ایمان ترجمۂ قرآن یہ حضرت فرنگی محل کے ترجمۂ قرآن کا نام ہے۔ اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سلیس بھی ہے اور جاندار بھی، اس میں قرآنی کلمات کا پورا اتباع بھی ہے اور زبان اردو کے محاورہ کی رعایت بھی، یہ زبان کے اعتبار سے جدید بھی ہے۔ مگر تجددانہ رنگ آمیزی اور خواہ مخواہ کی انشاء پردازی سے پاک بھی، حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ جنہیں قرآن فہمی کا خاص ذوق حاصل تھا، اس ترجمہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ:

"ترجمہ لفظی نہیں محاورہ کا ہے، توسین کی مدد سے مطالب کو اور بھی کھول دیا گیا ہے۔

نیز قلم ماشاء اللہ سلفی۔ فرنگی محلی۔ ہے، اس لئے تجدد کی کسی ضلالت کا کیا جمہور امت کے خلاف کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بے احتیاطی کا بھی احتمال نہیں۔ بے کھٹکے عوام و خواص سب مستفید ہو سکتے ہیں۔"

عرائس العنوان لآیات القرآن منفرد نوعیت کے سہ گانہ حواشی جو مولانا فرنگی محلی نے تحریر فرمائے ہیں ان میں سے پہلے حاشیہ کا عنوان ہے۔ عرائس العنوان۔ اس میں ہر آیت پاک سے ماخوذ اور مستنبط مضامین اور ارشادات قرآنی کے مطالب عنوان کی صورت میں درج کر دئے گئے ہیں اور بقول محشی گرامی اس میں نہ صرف دلالت النص ہی پر اکتفا کی ہے بلکہ اشارۃ النص کی جانب بھی توجہ رکھی ہے۔ اور جن اعیان و افراد یا جن اقوام وملل یا مقامات کا تذکرہ تعیین نام وتخصیص مقام کیساتھ نہیں فرمایا گیا ہے۔ ان کی بھی تعیین قول مشہور کے مطابق کر دی ہے۔"

عنوانات اس کے بعد دوسرا حاشیہ ہے "عنوانات" اس کے تحت ہر مضمون کے متعلق ایک کلیدی عنوان قائم کیا گیا ہے۔ جس سے آیتوں کے عنوان کی تلاش میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس نوعیت کی خدمت پہلی بار انجام پا گئی ہے۔

التوضیح العجیب یہ تیسرا حاشیہ ہے جسمیں ڈیڑھ سو ایسی آیتوں کی تفسیر لکھی گئی ہے، جن میں شانِ رسالت اور منصب نبوت یا بالخصوص ذات نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی عظمت سے متعلق کوئی شبہ ذہن میں پیدا ہو سکتا ہو، اس کا تشفی بخش ازالہ کر دیا گیا ہے، اور اس میں تمام مستند تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔ اور یہ حواشی بڑے تفصیلی اور ٹھوس علمی قسم کے ہیں۔

یہ تینوں حواشی متن قرآنی کے کنارے تین کالم بنا کر لکھے گئے ہیں اور یہ صورت گری خود محشی گرامی نے فرمائی ہے۔ مذکورہ حواشی سے متعلق صاحب تفسیر ماجدی (مولانا عبدالماجد دریابادی) نے لکھا ہے کہ: " اتنے التزامات کیساتھ یقیناً کوئی مثال اس قسم کی خدمت قرآنی کی اس سے پہلے نہیں ملتی۔" حواشی کے علاوہ ایک خوبی کا ریہ بھی ہے کہ اس میں حضرت فرنگی محلی نے ہر سورۃ کے آغاز پر اس سورۃ سے پہلے اور بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے نام بھی تحریر فرما دئے ہیں۔ یہ عظیم خدمت ۱۳۷۴ھ میں انجام پائی ہے۔

مولانا نے اپنی اس خدمت کا "انتساب وپیشکش" جو تحریر فرمایا ہے۔ وہ ایک حب نبوی کے متوالے ہی کے قلم کی زرنگاری ہو سکتی ہے۔ ایک بڑے صفحہ کے اس انتساب کی ایک ایک سطر بحر عشق نبوی کی ایک ایک ساحل شکن موج ہے ۔

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا　　　جب تو نے یہ مئے ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

اس کے بعد اور دو تعارفی تحریریں مصنف گرامی کے قلم سے ہیں۔ ایک کا تاریخی عنوان ہے "تعارف برکت (۱۳۷۲ھ) اور دوسرے کا ہے " دیباچہ عرائس العنوان" ۔ ان دونوں تحریروں کے درمیان پھر ایک تاریخی عنوان ہے "اکابر مشاہیر کی تنقید" اس میں بھی ۱۳۷۲ھ نکل آتا ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کو تاریخ نکالنے کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ بہرحال اس عنوان کے تحت جن حضرات کے آراء درج کئے گئے ہیں، وہ علی الترتیب یہ ہیں:-

۱۔ محدث جلیل مولانا حلیم عطاؒ
۲۔ مولانا عبدالباری ندویؒ
۳۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ
۴۔ مولانا قمر الدین قادری پھلواری سابق امیر شریعت بہار۔
۵۔ مولانا سید عز الدین قادری ندوی پروفیسر شمس الہدیٰ پٹنہ
۶۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔
۷۔ مولانا محمد یوسف بنوری مدیر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

بہرحال ایک خاص قرآنی خدمت مولانا محمد عتیقؒ کے ہاتھوں اس دور میں انجام پا گئی، حسرت اس بات کی ہے کہ تقسیم ہند سے قبل کے دور میں جو باکمال ہستیاں کسی بھی شعبۂ علم و عمل میں پیدا ہوگئیں، ان کا بدل آج تصور سے باہر ہے۔ ایک ایک کر کے یہ ہستیاں اٹھتی جاتی ہیں اور جگہ خالی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ فیا اسفا۔
حضرت محمد حسن صاحب کاکوروی مدظلہٗ (مجاز صحبت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ) نے بتلایا کہ انہیں حضرت مولانا محمد عتیقؒ کے صاحبزادہ نے لکھنؤ سے اطلاع دی ہے کہ جنازۂ عتیق میں دو لاکھ غمگساروں کا اژدھام تھا، راقم الحروف کا قیاس ہے کہ اس مسکین صفت عالم ربانی کے ان سوگواروں میں اکثریت مساکین ہی کی ہوگی۔ یہ بادشاہی بس انہی فقرائے الٰہی کے حصہ میں آئی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

مراسلات

تحریر: مولانا محمد یوسف لدھیانوی
مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

روسی انقلاب کے بعد روسی وفد اور جمعیۃ العلماء ہند

ایک غلط کہانی کی تردید

نوائے وقت (۲۲ ستمبر ۱۹۷۷ء) جناب وقار انبالوی صاحب کا ایک مضمون "سوشلزم، کمیونزم کا رد عمل" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ روسی انقلاب کے بعد ۲۳-۱۹۲۲ء میں روس کے دانشور کار پردازوں کا ایک وفد دہلی آیا۔ اس نے جمعیت العلماء دہلی سے رجوع کیا اور کہا اگر برفانی علاقوں کے لوگوں کو ووڈکا کے ایک دو گھونٹ پینے اور صبح کی نماز کیلئے تیمم کی رخصت دیدی جائے تو روس میں اسلامی ضابطۂ حیات کے تجربے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ مگر جمعیت العلماء اسلام نے انہیں یہ مایوس کن جواب دیا کہ یا تو اسلام کو پورا قبول کرو یا اس سے دستبردار ہو جاؤ ـــــ اس واقعہ کو نقل کر کے وقار صاحب نے علامہ اقبالؒ کی زبانی یہ رونا رویا ہے کہ افسوس! ہمارے علمائے کرام کی کم نگہی اور بے سوادی نے اشارہ کروڑ انسانوں کو اسلام کے دروازے سے دھکا دیدیا۔

جناب وقار انبالوی ایک کہنہ مشق صحافی ہیں، اسلام اور سوشلزم کی جنگ میں عموماً ان کو اسلام کا حامی سمجھا جاتا ہے، مگر جس موقعہ پر ان کا یہ مضمون چھپا ہے۔ اسکی نزاکت کو یا تو انہوں نے محسوس نہیں کیا، یا انہوں نے جان بوجھ کر اس نازک وقت میں اسلامی کیمپ پر پتھر پھینکنے کی کوشش کی ہے۔ ممکن ہے روسی وفد کی آمد کا یہ واقعہ انہوں نے کسی سے سنا ہو مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس فرضی افسانہ کو اخبار کی سیاہی میں منتقل کرنے سے پہلے بالکل نہیں سوچا کہ یہ کس قدر غیر ذمہ دارانہ صحافت کا مظاہرہ ہے۔ میں ان کی اور ان کے قارئین کی توجہ چند امور کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ موصوف اس واقعہ کو روسی انقلاب کے بعد کا واقعہ بتاتے ہیں۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا روسی انقلاب ایک سنجیدہ انقلاب تھا۔؟ اور اس نے روس کے "دانشور کار پردازوں" کو یہ سوچنے کی مہلت دی تھی کہ انہیں انقلاب کے بعد اب کونسا ضابطۂ حیات اپنانا ہے۔؟ جن حضرات نے روسی انقلاب کی تاریخ کا

مطالعہ کیا ہے ، وہ جانتے ہیں کہ روس کے کیونسٹ انقلاب نے مذہب و اخلاق کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا تھا کہ تمام مذہبی و انسانی قدریں خس و خاشاک کی طرح بہ گئی تھیں ، اور اجتماعی طور پر تو کجا کسی کو انفرادی طور پر بھی اسلام کے اپنانے اور اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے نمایاں کرنے کی اجازت نہیں تھی ، نہ روس کے دانشور کارپردازوں کے ذہن کے کسی گوشے اسلام کو اپنانے کا خیال پیدا ہو سکتا تھا ، نہ تو تشکیل کیونسٹ معاشرے میں اسکی گنجائش تھی۔ ان حالات میں وقار صاحب کا یہ انکشاف تاریخ انقلاب اور اس کے نفسیاتی و ذہنی نتائج سے بے خبری کی دلیل ہے۔

۲۔ وقار انبالوی صاحب موسیٰ جار اللہ صاحب کو ترکستان کا شیخ الاسلام بتاتے ہیں ، اور یہ کہ انہی کی ترغیب پر روسی دانشوروں کا وفد دہلی آیا تھا ، حالانکہ موسیٰ جار اللہ کو ترکستان کے شیخ الاسلام ہونے کا شرف صرف وقار صاحب نے عطا کیا ہے۔ نہ وہ اس حیثیت کا آدمی تھا۔ نہ اسے یہ منصب حاصل تھا ، اس کے عقائد و نظریات اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔

۳۔ اگر وقار صاحب کے بقول موسیٰ جار اللہ صاحب ترکستان کے شیخ الاسلام تھے ، تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے اس فرضی وفد کو دہلی آنے کی زحمت کیوں دی ؟ وہ اپنے ملک کے حالات و ضروریات سے جسقدر آگاہ تھے ، دہلی کے علمائے کرام اس قدر باخبر نہیں ہو سکتے تھے ، جس مشکل کا حل دہلی کے ایوانِ علم میں ڈھونڈھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ترکستان کے شیخ الاسلام نے خود ہی کیوں نہ پیش کر دیا ، انہوں نے اپنے اٹھارہ کروڑ اہلِ وطن کو اسلام کے دروازے سے دھکا کیوں دیدیا ؟

۴۔ سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت افزا بات یہ ہے کہ وقار صاحب کے مطابق روسی دانشور کارپردازوں کا یہ وفد روس سے چلتا ہے ، اور سیدھا جمعیۃ العلماء دہلی کے دفتر پہنچ کر دو ڈکا اور تیمم کی رخصت چاہتا ہے۔ اور وہاں سے نفی میں جواب پاکر چپ چاپ روس لوٹ جاتا ہے۔ اور وہاں جاکر سوشلسٹ ضابطۂ حیات مرتب کر لیتا ہے ، اسے نہ تو ہندوستان میں کسی اور عالم سے رجوع کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نہ یہاں کے اخبارات اسکی آمد و رفت کا نوٹس لیتے ہیں ، نہ ہندوستان میں اسکی آمد اور ناکام واپسی کی کسی کو کانوں کان خبر ہوتی ہے ، نہ وقار صاحب اسے دردمندانِ اسلام میں کوئی اس وفد کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھتا ، یہ سارے راز ۵۵ برس تک وقار صاحب کے سینہ میں دفن رہتے ہیں۔ اور وہ اس کا انکشاف ٹھیک اسوقت کرتے ہیں جبکہ پاکستان میں اسلام اور سوشلزم کی جنگ آخری فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور چند ہی روز بعد پاکستانی قوم کو فیصلہ کرنا ہے۔ کہ وہ یہاں اسلام کے نفاذ کو دیکھنا چاہتی ہے۔ یا اسکو دفن کر کے اسکی جگہ سوشلزم کا گرجا تعمیر کرتی ہے۔ اس نازک موقع پر وقار صاحب کا ۵۵ سال کے مخفی راز کو اگلنا ، علمائے کرام

پر کم نگہی اور بے سوادی کا فتویٰ صادر کرنا آخر کس چیز کی غمازی کرتا ہے ۔؟ اس سے نظامِ مصطفیٰؐ کی تحریک کی تائید ہوتی ہے ۔یا اس کے مقابلہ میں لادینی تحریک کی ۔؟

۵۔ وقار صاحب نے وڈکا کے دو ایک گھونٹ اور صبح کی نماز کیلئے تیمم کی رعایت کا جو افسانہ رقم کیا ہے ۔ اب ذرا اسکی شرعی حیثیت بھی ملاحظہ فرمائیے ۔ دینیات کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ویسے برفانی علاقے میں جہاں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں واقعتہً بیماری کا اندیشہ ہو تیمم کرنے کی اجازت ہے ۔کیا اس معروف مسئلہ سے ترکستان کے علما ناواقف تھے کہ روس کے وفد کو ہندوستان آنے کی زحمت اٹھانا پڑی ۔؟ اور پھر کیا دہلی کے علمائے کرام اس سے ناواقف تھے کہ انہوں نے اس شرعی رخصت پر عمل کا فتویٰ دینے میں بخل سے کام لیا ۔؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک غلط تہمت ہے جس کا تصور کسی عالم دین کے حق میں قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ جہاں تک " وڈکا " پینے کا تعلق ہے اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیجئے ۔

حضرت دیلم حمیریؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارا علاقہ بڑا سرد ہے ۔ اور سردی کا مقابلہ کرنے کیلئے ہم ایک مشروب تیار کیا کرتے ہیں کیا اس کے استعمال کی اجازت ہے ۔؟ فرمایا : کیا وہ شراب نشہ آور ہوتی ہے ۔؟ بولے جی ہاں ! فرمایا تب تو اس سے پرہیز لازم ہے ۔عرض کیا لوگ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوں گے ، فرمایا : لوگ اسے ترک نہ کریں تو ان سے قتال کرو (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۱۶۲)

کیا وقار صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کم نگہی اور بے سوادی کا فتویٰ صادر کریں گے ۔؟ نعوذ باللہ ۔

جناب مصنطر عباسی ایم۔اے۔ مری

جدید زبانوں کے عربی ماخذ

حیوان ـــــــ حیوان یا جانور کے لیئے فرانسیسی، انگریزی ہسپانوی، پرتگالی اور رومانیہ کی زبان میں رومانیہ وغیرہ میں ANIMAL اطالوی زبان میں ANIMALE اور اسپرانتو میں ANIMALO کے کلمات مستعمل ہیں۔ اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق یہ کلمات لاطینی کے کلمہ ANIMA سے ماخوذ ہیں۔ جس کے معنی ہوا۔ سانس یا نفس کے ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ ان لوگوں کی نظر عربی کے "انام" "انعام" کی طرف نہیں گئی۔ اور لاطینی تک پہنچ کر ان کی تحقیق کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ عربی میں "انام" ہر قسم کی مخلوق اور "انعام" صرف چوپایوں اور مویشیوں کے لیئے مستعمل ہے۔

زین ـــــــ گھوڑے وغیرہ سواری کے جانور پر سوار کے بیٹھنے کے لیئے جو کاٹھی یا زین رکھی جاتی ہے۔ اس کے لیئے جدید زبانوں میں حسب ذیل قسم کے کلمات مستعمل ہیں۔ انگریزی SADDLE (سیڈل)، سویڈن اور ڈنمارک میں بولی جانے والی زبانوں میں SADEL پولینڈ کی زبان میں SIODLO چیکوسلواکیہ کی زبان میں SEDLO اور اسی ہیں۔ SEDLO ہے اور اوسی کی شاخ سیبرو کروٹ میں SJEDLO فرانسیسی میں SELLE ہے ہسپانوی میں SILLA۔ اطالوی میں SELLA پرتگالی میں SELA انڈونیشائی میں SELA ہے۔ اسپرانتو میں SELA اور یونانی میں SELA ہے۔ پہلی قسم کی زبانوں میں D (د) موجود ہے۔ اور فرانسیسی اور اس کے بعد کی مذکورہ زبانوں میں D (د) ہیں۔ بعض زبانوں میں D (ڈ) کو T (ت) بدل دیا گیا ہے۔ مثلاً جرمن میں SATTEL ہے فن لینڈ کی زبان میں SATULA اور جرمنی سے ہجرت کر کے ہمسایہ ممالک میں آباد ہو جانے والے یہودیوں کی زبان YIDDISH میں ہے۔ SOTTEL، ہالینڈ والوں نے اپنی زبان ڈچ میں S (س) کو Z (ز) سے بدل دیا ہے۔ جو بعض اوقات S (س) کی آواز دیتا ہے۔ اور ناروے کی زبان میں اس لفظ کی صورت SAL اور رومانوی میں صرف SA ہے۔ یورپ والوں نے اس لفظ کو SET۔ SEAT اور SIT سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے معنی ہیں بیٹھنا۔ یا بیٹھنے کی جگہ نشست گاہ۔ ہمارا خیال ہے

کہ ان تمام کلمات کا ماخذ عربی کا " سدل" جس کے معنی ہیں محمل یا کجاوے کا پردہ۔ لٹکانا پردہ ڈالنا۔ اور اس سے مراد وہ کپڑا یا چادر ہے۔ جو جانور کی پشت پر پھیلا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے۔ اور اسی چادر یا پردے نے رفتہ رفتہ موجودہ چمڑے کی زین کی صورت اختیار کر لی ہے۔ واللہ اعلم

ٹخنا .... ایڑی کے اوپر ابھری ہوئی ہڈی جسے اردو میں ٹخنا یا گٹا اور عربی میں کعب کہتے ہیں۔ اس کے لیے یورپ والوں کے ہاں انگریزی میں ANKLE ڈنمارک کی زبان میں ANKEL ناروے کی زبان میں ANKEL اور ڈچ میں ENKEL کے الفاظ رائج ہیں۔ انگلو سا کن (جس سے انگریزی نکلی ہے) میں ANCLEOW
پرانی فرانسیسی میں ANKEL سویڈن کی زبان میں ANKEL اور جرمن کی زبان میں ENKEL ہے یورپ والوں کی تحقیق کے مطابق + یہ کلمات انگلو سا کن کے ANCOR لاطینی کے ANCORA اور یونانی کے ANGRYRA سے ماخوذ ہے۔ گویا R (ر) کو L (ل) سے بدل دیا گیا ہے۔
لاطینی میں اس کی ایک صورت AN GULUS کی ہے۔ یہاں " L " (ل) بدستور موجود ہے۔ ان لوگوں کی تحقیق کے مطابق اس لفظ کے معنی ہیں ٹیڑھی۔ خمیدہ یا ابھری ہوئی ہڈی۔ اور انگریزی کا لفظ ANGLE (بمعنی زاویہ) بھی اسی سے متعلق ہے۔ جرمن میں مچھلی پکڑنے کے لیے استعمال کی جانے والی کنڈی ANGEL کہتے ہیں۔ یہ تمام کلمات اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق لاطینی زبان کے اسی کلمہ سے ماخوذ ہیں جس کے معنی ہیں خمدار ہڈی۔ بمعنی ANGULUS عربی میں " عنکل" کے معنی ہیں۔ بھدی ہڈی۔ کھردری یا سخت ہڈی۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم ٹخنے کی ہڈی کو جسے اہل یورپ ANKEL یا ANKEL وغیرہ کلمات سے یاد کرتے ہیں۔ عربی کے اسی " عنکل" سے ماخوذ نہ مانیں۔ جو سختی میں اپنی مثال آپ ہے۔

اونچا .... اونچا۔ بلند۔ یا بلندی کے لیے ہسپانوی۔ اطالوی۔ اور پرتگالی زبانوں میں ALTO کا کلمہ مستعمل ہے۔ انگریزی اور فرانسیسی میں ALTITUDE کے معنی ہیں بلندی۔ اونچائی۔ ہسپانوی میں یہ کلمہ ALTITUDE ہے۔ اطالوی میں اسکی صورت ALTITUDINE اور اسپرانتو میں ALTO ہے۔

اہل یورپ کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ سب کلمات لاطینی کے کلمہ ALTUS سے ماخوذ ہیں جس کے معنی ہیں بلند یا بلندی۔ اونچائی۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ ALTUS جس کے آخر US لاحقہ ہے۔ اصل کلمہ ALT ہے۔ اور ALT کے آخر T (ت) اسی

طرح زائد ہے۔ جس طرح انگریزی کے SALT (نمک) سویڈش۔ ڈینش۔ ناردین کے
SALT (نمک) یونانی کے SALTI اور یہودی کے SALTS میں T (ت)
ان زبانوں کا کلمہ SALT یا SALTS وغیرہ اصل میں T (ت) کے بغیر ہے۔ جیسے
ہسپانوی میں SAL اطالوی میں SALE پرتگالی میں SAL فرانسیسی میں SEL پولش
میں SOL زیچ میں SUL روسی میں SOL اسپرانتو میں SALO فن لینڈ کی زبان فینش
میں SUOLA ہے۔ اور پولش اور ہنگرین میں اسی سے بھی اختصار کے ساتھ
صرف SO اور جاپانی میں SHIO ہے۔

ہاں! بات تھی ALTO - ALTA یا ALTUS کی۔ کہ اس لفظ کے
معنی ہیں۔ اونچا۔ بلند۔ یا بلندی وغیرہ اور اسی لفظ کے آخر T (ت) اسی طرح زائد ہے۔ جس
طرح SALT یعنی نمک کے آخر زائد ہے۔ گو ALTA اصل میں T (ت) کے بغیر
AL یا ALA ہے۔ جس کا ماخذ عربی میں "اعلیٰ" ہے۔ جو علو یعنی اونچائی یا بلندی
کی ایک صورت ہے۔

نمک .... اوپر کی گفتگو کے ساتھ ہی نمک کی اصل بھی معلوم کرلیں۔ نمک
کے لیئے جو کلمات اوپر بیان ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد یونانی زبان کا کلمہ HALS ہے۔
ویلز کی زبان میں HALEN ہے۔ اور سب جانتے ہیں۔ کہ HALS عربی میں "خل" ہے
جس کے معنی ہیں۔ سرکہ یا سرکے کی طرح ترشی اور یہی نمک ہے۔

تنخواہ .... انگریزی کا لفظ SALARY جو ہسپانوی میں SUELDO
ہے۔ اس کے معنی ہیں ملازم کی تنخواہ۔ یہ لفظ اسی SALT (نمک) سے لیا گیا ہے۔ اور اسی
طرح SALARY (تنخواہ) کے معنی ہوئے نمک خوار اور تنخواہ لیکر کام نہ کرنے والے کو
نمک حرام کہا جاتا ہے۔ حق نمک ادا کرنا اردو کا محاورہ ہے۔ جو اسی SALARY سے ماخوذ ہے۔ جو
SALT کی صورت ہے۔ آپ سوچتے ہوں گے۔ کہ SALT کے آخر T (ت) کو زائد مان لیا
اس لیئے اس کے ہسپانوی مترادف SAL کے آخر نہیں۔ لیکن اس کے پہلے حرف S (س)
کو H (خ) سے کیسے بدل لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قاعدہ ملاحظہ فرمائیں۔

قاعدہ .... S۔ "س" کی آواز دیتا ہے۔ جیسے اسی کلمہ SALT
(نمک) میں۔ S۔ کی آواز۔ س۔ کی ہے۔ اس لیئے بعض اوقات۔ S۔ کو۔ C۔ سے بدل دیا جاتا

ہے۔ مثلاً یونانی زبان میں (AFTOMATOS) خود کار) اور انڈو نشیاء کی زبان میں OTOMATIS ہے۔ انگریزی میں۔ S۔ کو۔ C۔ سے بدل دیا گیا ہے۔ اور لفظ کی صورت (AUTOMATIC) چونکہ۔ C۔ کی آواز۔ K۔ (ک) بھی آتی ہے۔ اس لیئے بعض اوقات۔ C۔ کو۔ K۔ سے بدل لیتے ہیں۔ یہی کلمہ جس کے معنی "خود کار" کے ہیں۔ ترکی میں OTOMATIK) اور یہودیوں کی یورپی زبان YIDDISH میں AVTOMATIK ہے۔ گویا پہلے۔ S۔ کو۔ C۔ سے بدلا۔ پھر۔ C۔ K۔ سے بدل گیا۔ اور۔ K۔ کا۔ H۔ سے بدل جانا عام معروف قاعدے کے مطابق ہے۔ اور جو۔ K۔ H۔ سے بدلتا ہے۔ اس۔ H۔ کی آواز۔ ہ۔ کی نہیں۔ بلکہ۔ خ۔ کی ہوتی ہے اس لیئے کہ K (ک) اور (خ) ہم مخرج ہیں۔ بلکہ انگریزی میں۔ ک۔ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اصل K کی آواز۔ کھ۔ کی ہے۔ اور یہی۔ کھ۔ خ۔ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ اگر سلال کو SALT اور SALA وغیرہ کلمات کا ماخذ مان لیا جائے۔ تو بات دل کو لگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ "سلال" کے معنی ہیں خوش ذائقہ مزے دار اور کون نہیں جانتا۔ کہ اشیاء خوردنی میں اگر ذائقہ ہے۔ تو نمک ہی کے باعث ہے۔

بقیہ :- کردار شکنی

کے استہزاء میں یہ شریک رہے ہیں۔ (تدبر قرآن ۱/۱۰۲)

آج کا المیہ یہ ہے کہ نئی روشنی کے حامل اور جدید تعلیم یافتہ گروہ کی آزاد خیالی FREE THINKING اور عقلیت RATIONALISM کی ابتدا ہی اذان اور نماز کے تمسخر سے ہوتی ہے۔ اسلامی سیرت وصورت کا استہزاء شیطان، ملائکہ اور دوسری غیر مرئی چیزوں کو وہم پرستی خیال کرنا عہد جدید کا وہی نفاق ہے جس پر قرآن میں شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ حقیقت آئینہ ہوجاتی ہے کہ عہد رسالت میں منافقین کا جو خاص قسم کا گروہ اسلام کے خلاف سرگرم سازش تھا۔ گو جسمانی طور پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن عملاً اس کے بہت سی دوسری قسموں کے گروہ فی زمانہ بھی اپنے کام میں مصروف ہیں۔

(جاری)

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری۔ جام پور

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ؒ کی شخصیت علمائے ربانی میں وہ عظیم شخصیت تھی جس کو دین و سیاست کے رجالِ کار کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کل کا مورخ جب پاکستان کے بانی، محرک اور مؤید اہلِ فکر اور نظریہ پاکستان کو فروغ دینے والے مدبرین و مبصرین پر قلم اٹھائے گا تو علمائے حق میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی کو سنہری حروف سے لکھنے پر مجبور ہو گا۔ آپ کو نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے اہلِ علم بلکہ تمام دُنیائے اسلام متفقہ طور پر آسمانِ علم و حکمت و سیاست کا نیرّ اعظم تصوّر کرتی ہے۔ یُوں تو دُنیا میں بڑے بڑے اہلِ علم گزرے ہیں مگر ایسی شخصیت جس کو یکساں طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام و معقولات و منقولات، تقریر و تحریر اور سیاسیات میں بصیرت حاصل ہو کوئی کوئی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عثمانی ؒ کی شخصیت دین و سیاست کا سنگم تھی اور تمام علوم کی جامع، پھر ان سب کا یہ کمال تھا کہ وہ دین اور بین الاقوامی مسائل کو ہم آہنگ بنانے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی شخصی عظمت اور علمی و روحانی مقام کے بارے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اس تاریک دور میں علم و عمل، اخلاص و ہمّت اور علم ظاہری و باطنی کے آفتاب و ماہتاب تھے، رُشد و ہدایت کے اعلےٰ مقام پر فائز تھے۔ آخر وقت تک تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہ طریقت و تصوّف کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف تھے۔ سینکڑوں علماء اور ہزارہا افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔" (ماہنامہ الرشید لاہور دسمبر ۱۹۷۶ء)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

حضرت عثمانی عہدِ حاضر کے اُن سر فن علماء، ادباء اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حق تعالےٰ نے اُن کو علمی و عملی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی بزرگانِ دین کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی کہ جو علماء دیوبند کا خاص امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو علمی کمالات کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی مزیّن فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل باخدا ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔" (ماہنامہ بیّنات کراچی)

یہ فخر روزگار عالم ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ کو شیخ لطیف احمد صاحب عثمانی کے گھر قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہُوا۔ آپ حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے حقیقی بھانجے تھے۔ والدہ محترمہ کا انتقال پیدائش کے تین ماہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ ابتدائی تربیت دادی صاحبہ نے کی۔ پانچ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ پھر حضرت مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے والدِ محترم مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندیؒ سے فارسی، ریاضی اور منطق پڑھی۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی سے عربی زبان کا درس لیا۔ اس سے فارغ ہوئے تو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ آپ کو کانپور لے گئے جہاں پر مولانا محمد اسحاق بردوانیؒ اور مولانا محمد رشید کانپوریؒ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو مظاہر العلوم سہارنپور میں اس زمانہ کے نامور بزرگ محدّث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ نامور اُستاذ کا یہ ہونہار شاگرد تعلیم و تربیت کی یہ تمام منازل اٹھارہ سال کی عمر میں طے کر گیا تھا۔ اور ۱۳۲۸ھ کو اپنی تعلیم مکمل کر کے اسی درسگاہ "مظاہر العلوم سہارنپور" میں مدرس مقرر ہُوا۔ حضرت عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے شاگرد ہی نہیں تھے بلکہ اپنی روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے اُن سے شرفِ خلافت بھی حاصل کیا ہُوا تھا۔ ان کے علاوہ امام العصر حضرت علاّمہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عارف باللہ حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحب کاندھلویؒ سے بھی کافی عرصہ فیضان حاصل کیا۔

بلاشبہ عہدِ حاضر میں حضرت عثمانی قدس سرہٗ کا شمار ان علماء دین میں کیا جاتا ہے جن پر عرب و عجم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا۔ سات سال مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس دینے کے بعد آپ تھانہ بھون چلے آئے جہاں آئندہ سات برس تک حدیث و فقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنی معرکتہ الآراکتاب "اعلاء السنن" بیس ضخیم جلدوں میں علمِ حدیث پر عربی زبان میں تصنیف کی۔ اس بلند پایہ علمی تالیف کو عالمِ اسلام کے مشاہیر علماء نے جس طرح خراجِ تحسین پیش کیا وہ قابلِ دید ہے۔ چند مشاہیر علماء کی مختصراً آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ اس کتاب کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ :۔

"اس کتاب کے مؤلف جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں یعنی محدث، محقق، مدبر، ناقد زبردست فقیہہ، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ کو اللہ تعالےٰ نے علمی خدمات کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا فرمائے ہیں تو اس غیرت مند عالم کی علمی قابلیت و مہارت اور اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا جس میں اس قدر مکمل تحقیق و جستجو اور تلاش و تدقیق سے کام لیا گیا ہے کہ ہر حدیث پر فن حدیث کے تقاضوں کے مطابق متن پر بھی اور سند پر بھی اس طریقہ سے کام کیا گیا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید پیش کرنے میں تکلیف کے آثار قطعاً نظر نہیں آتے بلکہ اہل مذاہب کی آراء پر گفتگو کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہائی درجے کا رشک ہونے لگا۔ مردوں کی ہمت اور بہادروں کی ثابت قدمی اس قسم کے نتائج فکر پیدا کیا کرتی ہے۔ خدا ان کی زندگی کو خیر و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے کہ وہ اس قسم کی مزید تصنیفات پیش کر سکیں۔"

(المفتی دیوبند ۱۳۵۷ھ بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر حضرت عثمانیؒ کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو بھی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق کو محنت و عرق ریزی کر سلیقہ کے لیے برہان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کا تصانیف کا شاہکار اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہونِ منت رہیں گے۔ حق تعالےٰ اُن کو رحمت و رضوان کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔" (ماہنامہ بینات کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی مدظلہ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ــــــ پشاور فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حق تعالےٰ نے آپ کو حدیث رسولﷺ کی خدمتِ جلیلہ سے نوازا تھا پھر حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ جیسے مرشد و ہادی و شیخ کامل کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ اور اپنی ذہانت تبحر علمی کے بدولت حدیثِ مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ "اعلاء السنن" جیسی شہرہ آفاق تصنیف کی شکل

میں انجام دیا جس پر حنفی دُنیا بالخصوص اور تمام علمی دُنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ حق تعالےٰ آپ کی مساعیٔ جمیلہ اور خدماتِ جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔"

(ماہنامہ "الرشید" دسمبر ۱۹۷۶ء)

اعلاء السنن کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی یہ ہے کہ :-

"ان کے مرکزِ علمی خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون سے اگر اس کتاب کی تالیف کے علاوہ کوئی دوسری علمی خدمت انجام نہ دی تھی تو اپنی فضیلت وکرامت کے اعتبار سے یہی ایک کتاب بہت کافی تھی۔"

(ہفت روزہ "صوت الاسلام" لاہور ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء)

حضرت عثمانی قدس سرہٗ نے کم وبیش ۲۵ برس تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی رفاقت میں تصنیف وتالیف اور تبلیغ وافتار کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی دوران میں "احکام القرآن" اور "امداد الاحکام" جیسی تفسیر وفقہ کی عظیم الشان تالیفات آپ کے قلمِ فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جو آپ کی علمی وفقہی بصیرت کا بیّن ثبوت ہیں۔ اسی لیے تو حکیم الامت آپ کی علمی صلاحیتوں سے اس قدر متاثر اور مطمئن تھے کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب اس دور کے امام محمدؒ ہیں اور علومِ دین کا سرچشمہ ہیں۔ آپ نے وفات سے پہلے وصیّت کی تھی کہ میری نمازِ جنازہ مولوی ظفر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ چنانچہ یہ سعادت بھی آپ ہی کو نصیب ہوئی۔ آپ کے شیخ ومربی عارف کامل محدثِ وقت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرمایا کرتے کہ :-

"مولانا ظفر احمد عثمانی اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کا نمونہ ہیں۔"

(انوار النظر فی آثار الظفر)

حضرت عثمانی قدس سرہٗ کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے تلامذہ اور خلفاء میں ایسے جیّد علماء بھی شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جُھک جاتی ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی جیسے اکابر آپ کے شاگرد اور خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین ملک و بیرون ملک میں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ غرضیکہ آپ کا فیض افریقہ سے

لے کر شرقِ بعید تک پھیلا ہوا ہے اور بالخصوص سابق مشرقی پاکستان کے تو چپے چپے پر آپ کے جلائے ہوئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں۔

تھانہ بھون سے برما کے مسلمانوں کی خواہش پر آپ مدرسہ محمدیہ رنگون تشریف لے گئے اور وہاں ۲ برس تک حدیثِ رسولؐ کے چراغ جلائے۔ پھر ڈھاکہ یونیورسٹی نے آپ کو دینی علوم کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی گئی۔ تو حضرت حکیم الامت کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک اس یونیورسٹی میں علم کے موتی لٹاتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں بھی آٹھ سال تک صدر مدرس رہے۔ یہیں پر "جامعہ قرآنیہ" لال باغ کی اپنے دستِ مبارک سے بنیاد رکھی۔ یوں آج مشرقی پاکستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر یا قصبہ ایسا نہ ہو گا جہاں آپ کے تلامذہ اور مریدین علم دین کو پھیلانے کی خدمت سرانجام نہ دے رہے ہوں۔ اور یوں آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ اس سرزمین پر اسلامی علوم کی جوت جگانے میں صرف کیا۔ پھر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے اصرار پر وہاں سے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور آخر دم تک یہیں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے۔

دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدماتِ جلیلہ کے ساتھ ملکی اور سیاسی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز باقاعدہ طور پر مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء سے ہوا۔ جب نواب اسماعیل کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے ایک مجلسِ عمل قائم کی تھی جس کا کام علماء سے رابطہ قائم کرنا تھا اسکی وساطت سے اس اجلاس میں حضرت عثمانی حکیم الامت کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اجلاس سے پہلے آپ کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی۔ سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور یکجائی کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ قائداعظم اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اگلے روز کے اجلاس میں کھلم کھلا شاید پہلی مرتبہ یہ بات کہی کہ مذہب اور سیاست ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کی حمایت میں عملی طور پر حصہ لیا اور مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن الیکشن میں پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگریس کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر ان کے اثرات کو باطل کر دیا۔ پاکستان کی کامیابی میں مولانا عثمانی کے اس دورۂ ہندوستان کو بہت بڑا دخل ہے جس کا اقرار نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اپنے ایک خط میں کیا ہے جو انہوں نے نجی طور پر حضرت عثمانی کو لکھا تھا۔ آخر میں قائداعظم کی خصوصی درخواست پر سلہٹ ریفرنڈم کی مہم میں جو نہایت معرکۃ الآراء مہم تھی حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ ہی نے سر کی تھی۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کے مقام پر جمعیت علماء اسلام کا قیام حضرت عثمانی کے ہاتھوں عمل میں آیا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے آپ کی درخواست اور خواہش پر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمائی تھی ۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم کی خواہش پر پاکستان کی پہلی رسم پرچم کشائی کا شرف بھی مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی کو اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی کو حاصل ہوا ۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت عثمانی مشرقی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائدبن کر کراچی تشریف لائے ۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری کے علاوہ مفتی دین محمد خان بھی شامل تھے ۔ آپ نے اردو زبان کو پاکستان میں سرکاری زبان بنانے کے لیے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی ۔ جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں حمایت کا اعلان کیا تھا ۔ ۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کے ہمراہ حکومت کی طرف سے حکومت سعودی عرب کیلئے خیرسگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور میدان عرفات میں سلطان ابن سعود کی درخواست پر مسلمانان عالم کو خطاب فرمایا تھا ۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب کے شانہ بشانہ کام کیا اور قرار داد مقاصد پاس کرانے میں کامیاب ہوگئے ۔ پھر جب حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لیے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تو مولانا عثمانی نے ایک اعزازی رکن کی حیثیت سے اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی اور اس کے بعد ہر مکتبہ فکر کے جید علماء نے ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ تیار کیا تو آپ بھی اس میں شامل تھے ۔ بہر حال حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اتنی ہیں کہ احاطہ کرنا بہت مشکل ہے ۔

آپ اپنے آخری وقت میں اکثر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ۔ اور زندگی کا آخری حصہ درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں صرف کیا ۔ مگر جب بھی ملک میں کسی نئے فتنے نے سر اٹھایا تو آپ باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کے میدان عمل میں کود پڑتے تھے اور ہمیشہ ہر جابر و ظالم کے سامنے کلمۂ حق ادا کرتے رہے ۔ آخر کار یہ مرد حق اپنی دینی ، علمی ، روحانی اور سیاسی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی نے پڑھائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات پر پورے عالمِ اسلام کے مشاہیر علماء نے رنج وغم کا اظہار کیا اور آپ کی شخصی عظمت اور خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی مدظلہ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ "مولانا عثمانی کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہوگا۔ وہ اس وقت برّصغیر میں ایک ممتاز اور جیّد عالمِ دین تھے اُن کی ساری زندگی قرآن وحدیث کی خدمت میں بسر ہوئی۔"

خطیبِ ملّت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے بیان میں فرمایا کہ "حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے تمام علمی ودینی حلقے یتیم ہوگئے اور پاکستان اپنے مذہبی بانی وسرپرست سے محروم ہوگیا ہے۔"

محدّثِ عصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے اپنے تعزیتی اداریے میں تحریر فرمایا کہ "حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے ہمارے قلوب کو مجروح کردیا ہے اور ان کی رحلت سے مسندِ علم وتحقیق، مسند تصنیف وتالیف، مسند تعلیم وتدریس، مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں۔ اُن کو پُر کرنے والا مستقبل میں کوئی نظر نہیں آیا ہے۔"

فخرِ اسلاف حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "اُن کی وفات پورے عالمِ اسلام کا عظیم سانحہ ہے اور اُن کے ساتھ ہی موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہوگئی ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ :۔

آہ ! مولانا ظفر احمد رئیسِ کارواں — علم کے کوہِ بلند اور زہد کے شبلی صفات
عالمِ باقی ودائم کی طرف ہوکر رواں — چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہانِ بے ثبات
اب کہاں وہ فیضِ علمی اور کہاں اصلاحِ حال — اب کہاں وہ جامعِ شرح وطریقت نیک ذات
شمسِ علمِ ظاہر وباطن ہوا ہے غروب — روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک رات

عارف باللہ حضرت بابا نجم احسن صاحب نگرامی نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے :۔

ظفر احمد نہ ہے مردِ حق آگاہ :
مکیں خلد شد مغفور باللہ
۱۳۹۴ھ

* * * *

فوّارہ مارکہ
اعلیٰ قسم کا
سُوتی دھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک
ہینکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
FOUNTAIN
BRAND
فوارہ مارکہ
تیار کنندگان:
ڈی-ایم-ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
رجسٹرڈ آفس: ۱۱۶ - کاٹن ایکسچینج بلڈنگ — پوسٹ بکس نمبر ۴۶۱۷ —— کراچی
تار کا پتہ: DOSTCOT — فون — ۲۲۱۳۳۰ - ۲۲۳۹۱۳
ملز: سٹی چھاؤنی — پوسٹ بکس ۵۲ —— راولپنڈی
تار کا پتہ: FINETEX — فون

سعودیہ کی
زیادہ پروازیں - زیادہ مقامات
زیادہ طیارے - زیادہ خدمت
مشرقِ وسطیٰ میں سفر کی زیادہ سہولتیں

یکم جون ۱۹۷۷ء سے

کراچی سے جدہ ہفتہ وار ۱۰ پروازیں	جدہ سے قاہرہ ہفتہ وار ۱۰ پروازیں
کراچی سے ریاض ہفتہ وار ۶ پروازیں	جدہ سے بحرین ہفتہ وار ۶ پروازیں
کراچی سے دہران ہفتہ وار ۵ پروازیں	جدہ سے خرطوم ہفتہ وار ۴ پروازیں
کراچی سے دوبئی ہفتہ وار ۳ پروازیں	جدہ سے لندن ہفتہ وار ۱۶ پروازیں
کراچی سے مسقط ہفتہ وار ایک پرواز	ریاض سے لندن ہفتہ وار ۱۱ پروازیں

دہران سے قاہرہ ہفتہ وار ۱۷ پروازیں

سعودی عرب کے اندر ۲۰ شہروں لندن۔ پیرس اور روم کے لئے رابطہ پروازیں کثرت سے دستیاب ہیں سعودیہ کے مذکورہ بالا چند مراکز سے تقریباً مساوی تعداد میں واپسی پروازوں کا بھی شمار کریں تو سعودیہ مشرقِ وسطیٰ کی مصروف ترین ایئرلائن ہے۔

السعودية

Member of IATA

سعودی عرب ایئر لائنز

کراچی: سعودیہ بلڈنگ، اسٹریچن روڈ، فون: ۵۱۵۰۳۵ ، ۵۱۳۱۲۲ (۱۰ لائنیں)
(دفتر صبح ۸ بجے سے رات ۹ بجے تک کھلا رہتا ہے۔)
جی۔ایس۔اے کارگو: پاک عرب انٹرپرائزز
۸/۱/۸-۰ بلاک ۶، پی ای سی ایچ سوسائٹی، شاہراہ فیصل کراچی ۲۹۔ فون: ۴۳۸۱۰۹

حیدرآباد: جنرل سیلز ایجنٹس: پاک عرب انٹرپرائزز
کنٹونمنٹ شاپنگ سینٹر، فون: ۲۳،۹۸
لاہور: انڈس ہوٹل، شاہراہ قائداعظم، فون: ۵۶۶۱۳
اسلام آباد: شاہراہ سہروردی، فون: ۸۰۷۰۲۵۲۸۹۵

مشرقِ وسطیٰ میں آپ کے رہنما

NATIONAL 704- H.R

REGD,NO,P-90

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.